شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیر حیات

۲۶ ذوقعدہ ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ قیمت فی پرچہ ۲۵ پیسے

Rged No L 1981
FORTNIGHTLY
Phone 22948
TAMEER-E-HAYAT
Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

جزیرۃ العرب

از مولانا محمد رابع ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ جغرافیہ کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں سیرت و تاریخ وادب عربی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اسکی وجہ سے کسی جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیساتھ اسکی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم وجدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جگہ جگہ وضاحتی نقشے بھی دیئے گئے ہیں، اسکا تذکرہ عالم عربی کے اخبارات نے اچھے انداز میں کیا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے، اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب۔ قیمت ۵ روپیہ

تذکرہ
حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

از مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی

چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ و عالم، اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات، جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو درد و محبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔
قیمت Rs 3

اَلْاَدَبُ الْعَرَبِیْ
بین عرض ونقد

از مولانا سید محمد رابع ندوی، ادیب اول (دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)
عربی ادب کی تاریخ اور تنقید کے موضوع پر ہندوستان میں یہ سب سے پہلی کوشش ہے جو الادب العربی بین العرض والنقد کے نام سے عربی زبان میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پیش کی ہے۔
اس کتاب میں عربی ادب کی تاریخ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور تین بڑے حصوں پر مشتمل ہے
ادب کی حقیقت ❊ تنقید و تجزیہ ❊ ادبی نمونے
مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ خوبصورت عربی ٹائپ پر یہ کتاب چھپ کر آگئی ہے
(قیمت صرف چار روپے)

مُعَلِّمُ الْاِنْشَاء

از مولانا عبد الماجد صاحب ندوی و مولانا محمد رابع صاحب ندوی
[illegible]
حصہ دوم (" " ") " ۲/۶۲
حصہ سوم (مولانا محمد رابع ندوی) " ۲/۵۰

ملنے کا پتہ
مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at the Shining Press, Lucknow.

۲۶ ذی قعدہ ۱۳۹۰ھ

پندرہ روزہ

تعمیر حیات لکھنؤ

مطابق

۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد (۸) شمارہ (۶)

چندہ

سالانہ ۸ روپے

ششماہی ۴ روپے

فی کاپی ۳۵ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احساس کی دولت

محمد الحسنی

آج جب ہم مسلمان بقرعید کی مسرتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، اور قربانی کے لئے تیار ہیں ہمیں چاہیئے کہ ہم اس بات کو اپنے ذہن میں پھر تازہ کر لیں کہ اس کی صحیح روح کیا ہے؟ یہ کس بات کی یادگار ہے؟ ہمارے پورے نظام زندگی اور وسیع مقاصد سے اس کا کیا تعلق ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بار بھی ہماری یہ تقریب بے خیالی بے پروائی اور غفلت کی نذر ہو جائے۔

اگر ہم نہ سمجھیں تو یہ ساری تگ و دو، رونق اور قربانی کے مناظر بے جان رسم اور خالی تصویر کے سوا کچھ نہیں اور اگر کچھ سمجھیں تو اس کے اندر پوری امت کے لئے زندگی کا پیغام پوشیدہ ہے۔ یہ اتنے بڑے واقعہ کی یادگار ہے۔ اتنی عظیم قربانی کی نقل ہے کہ اس کا صحیح احساس ہی ہماری زندگی میں اسلامی انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔

لیکن یہ احساس ہی وہ گوہر ہے جو ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا۔ غور سے دیکھئے تو احساس ہی پر سارے عمل کا انحصار نظر آئے گا۔ اگر ہمیں کسی بات کا احساس نہیں تو وہ مسئلہ خواہ کتنا ہی اہم ہو ہمارے لئے نہ ہونے کے برابر ہے۔

مجرد علم زندگی میں تغیر کے لئے کافی نہیں۔ ذوق بھی ضروری ہے، حس بھی ضروری ہے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ اس قربانی کا پس منظر کیا ہے۔ یہ ایام کس قدر بابرکت اور اہمیت و احترام کے مالک ہیں اور شعائر اللہ کی عظمت و تقدیس کے کیا کیا مظاہرے اور جلوے اس وقت زمین و آسمان کو منور کر رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے باطن میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نظر نہیں آتی۔ یہ وہی احساس کا فقدان ہے جو اپنے اندر تغیر و انقلاب کی سب سے بڑی تاثیر رکھتا ہے۔

ترا دل اگر ہو زندہ تو نفس بھی تازیانہ

احساس کبھی پانی کے ایک گھونٹ اور کھانے کے ایک لقمہ سے منزل ولایت تک پہنچا دیتا ہے اور کبھی مدرسہ و خانقاہ میں برسوں گذار کر اور پشت پر کتابوں کا پشتارہ لاد کر آدمی اسی طرح واپس آجاتا ہے جس طرح گیا تھا، باطن بے نور، ظاہر آباد، دل ویران، جسم تر و تازہ و آراستہ اور روح نحیف و لاغر، پوشاک بھی درست۔

یہ سارا کھیل احساس کا ہے، موجودہ دور کا سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ احساس کی یہ قیمتی دولت ہاتھ سے نکل گئی۔

قوم کے دل سے بھی احساس زیاں جاتا رہا

اگلے دنیادار آج کل کے دینداروں سے اس لحاظ سے بہتر تھے کہ باوجود سارے مال و متاع کے آزاد و معاشرت کے انکو اس بات کا ہمیشہ احساس رہتا تھا کہ وہ غلط کر رہے ہیں۔ آج دینداروں کا حال یہ ہے کہ سب کچھ ہے مگر احساس نہیں، علم بھی وافر، عمل کی بھی کثرت، رسالوں اور کتابوں کی بھی گرم بازاری [illegible] درجہ میں۔ حقیقت کی کساد بازاری اور کیفیت کا زوال، جگر مرادآبادی مرحوم نے شاید اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا تقریر بہت دلچسپ مگر
آنکھوں میں سرور عشق نہیں چہرہ پہ یقیں کا نور نہیں

آج اس پر مسرت موقع پر ہمیں یاد کر لینا چاہئے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کیا ادا تھی جس نے ان کو واتخذ اللہ ابراہیم خلیلاً کی دولت سے سرفراز کیا تھا۔

ان سارے اعمال و مناسک اور ان قربانیوں کا ماحصل صرف یہی ہو کہ ہمارے اندر کسی درجہ میں تو پیدا ہو، اور ان عاشقانہ اداؤں کا کوئی ذرہ ہم محروموں کے نصیب میں آجائے جو سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ امی و ابی) کی سیرت میں ہمیں نظر آتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قربانی کے گوشت اور خون کو نہیں دیکھتا وہ دلوں کو اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔

اگر اس موقع پر ان حقیقتوں کا تھوڑا سا بھی خیال کر لیں گے تو انشاء اللہ ہمارے یہ کام (جو ہم عادتاً اور رسماً کر رہے ہیں) بافائدہ اور اللہ کی بارگاہ عالی میں مقبول ہوں گے۔ سر اعمال کی کثرت اور بجا آوری کا نہیں اخلاص اور نیت کا ہے۔

یہ وہ سودا ہے جو بہت آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ ان لوگوں کے لئے آسان ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے دولت احساس سے مالا مال کیا ہے۔ اور ان کے لئے یقیناً مشکل ہے جن کو یہی چیز نہیں ملی باقی سب کچھ ملا ہے۔

لیکن اگر ذرا توجہ کی جائے اور فکر ہو تو یہ دل کی دولت ہمارے دلوں کو مل سکتی ہے۔ اور اہل دل کی رفاقت و صحبت اس کا سب سے آسان اور محفوظ راستہ ہے۔

می رسد بر تخم دل از آب و گل
بے نگاہے از خداوندان دل

طیبہ کے مسافر

درود شریف زبان پر جاری ہے، دل فرط شوق سے امنڈ رہا ہے، عرب ڈرائیور حیران ہے کہ یہ عجمی کیا پڑھتا ہے اور کیوں روتا ہے، کبھی عربی میں گنگناتا ہے، کبھی دوسری زبانوں میں شعر پڑھتا ہے۔ بھینی بھینی ہوا ہے اور ہلکی ہلکی چاندنی، جس قدر طیبہ قریب ہوتا جا رہا ہے ہوا کی خنکی، پانی کی شیرینی اور ٹھنڈک لیکن دل کی گرمی بڑھتی جا رہی ہے سنئے کوئی کہہ رہا ہے ؎

بادِ صبا جو آج بہت مشکبار ہے
شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلفِ یار ہے

وہ ایک بار ادھر سے گئے مگر اب تک
ہوائے رحمتِ پروردگار آتی ہے

عجب کیا گر مہ و پروین مرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سر خود را
وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است
داغ غلامیت کرد رتبۂ خسرو بلند
میرِ ولایت شود بندہ کہ سلطاں خرید
محمد عربی کابروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

قرآن کا پیام

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ

اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں، اور میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور تم جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ جمع کرتے ہو تمھیں بتلا دیتا ہوں۔ بیشک ان سارے واقعات میں تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے پیشتر آئی ہوئی توریت کی اور اور اس لئے آیا ہوں کہ تم پر جو کچھ حرام کر دیا گیا تھا اس میں سے تم پر کچھ حلال کر دوں۔ اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

یعنی اگر تم خبث باطن اور ضد و عناد کو چھوڑ کر ایمان کے طالب اور یقین و اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہو۔

اَخْلُقُ۔ نفس خلق کا انتساب جب خالق کی جانب ہوتا ہے تو اس سے مراد نیست سے ہست کرنا، عدم سے وجود میں لانا ہوتا ہے اور جب انسان کی جانب ہوتا ہے تو اس سے مراد ہوتا ہے اندازہ کرنا۔ ایک خاص انداز سے بنانا اور صورت پیدا کرنا اور یہاں کھلی ہوئی مراد یہی ہے۔

لَكُمْ یعنی تم میں یقین پیدا کرنے کے لئے

عوام ہمیشہ بجائے دلائل و عقلیات کے معجزہ خارق عادت ہی سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور یہود تو اپنی اعجوبہ پسندی میں خصوصیت کے ساتھ بڑھے ہوئے تھے۔

مِنَ الطِّيْنِ۔ اس فقرے نے اور زیادہ کھول کر اس حقیقت کو حضرت عیسیٰ کی زبان سے ادا کر دیا ہو کہ میں عدم محض سے وجود میں ہرگز نہیں لاتا۔ صرف مادہ میں ایک خاص ترکیب و ترتیب کے ساتھ تصرف کر دیتا ہوں

كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ۔ یعنی پرندوں کی شکل کھلونے مٹی سے بناتا ہوں۔

طَيْر۔ یہاں بطور اسم جنس کے ہے۔

فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا۔ یعنی میرے نفخ دم سے ان میں جان پڑ جاتی ہے۔ اور وہ سچ مچ کے پرندے بن کر اڑنے لگتے ہیں۔ چاروں انجیلیں جو مجموعہ کتب عہد نامہ جدید کے نزدیک مستند ہیں، ان میں اس معجزہ کا ذکر نہیں لیکن جو انجیلیں کلیسائے قبط (مصر) Coptic Church کی مستند الیہ ہے اس میں یہ صاف مذکور ہے جیسا کہ ڈاکٹر وج (Budge) نے اپنی کتاب (Legends of our Lady Mary) کے مقدمہ میں نقل کیا ہے۔

وہ پرندوں کی شکل کے جانور بنا دیتے تھے جو اڑ سکتے تھے۔

بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ جو کچھ بھی میں کر دکھاتا ہوں اسے کہیں میری طاقت و قدرت تخلیق کا نتیجہ نہ سمجھ لینا یہ جو بھی ہوتا ہے سب محض ارادہ خداوندی و قدرت الٰہی کا ثمرہ ہے۔

اَلْاَكْمَهَ اندھوں کو بغیر آپریشن کے بینا کر دینا یوں بھی آسان نہیں، چہ جائیکہ مادر زاد اندھوں کو، اور اکمہ ایسے ہی کو کہتے ہیں۔ اس معجزہ مسیح کا ذکر انجیلوں میں متعدد مقامات پر ہے۔ مثلاً انجیل متی ۹: ۲۷ و ۳۰ میں اور انجیل مرقس ۸: ۲۲-۲۵ میں لیکن سب سے زیادہ تفصیل انجیل یوحنا ۹: ۱-۷ میں ہے اور اس میں تصریح اندھے کے مادر زاد پیدائشی ہونے کی ہے۔

اَلْاَبْرَصَ۔ کوڑھیوں کے اچھا کرنے کا ذکر انجیل میں دو جگہ ہے۔ ایک جگہ ایک کوڑھی کو شفا دینے کا، اور دوسری جگہ دس کوڑھیوں کو۔

جب اس پہاڑ پر سے اترا تو بہت سی بھیڑ اس کے پیچھے ہولی اور دیکھو ایک کوڑھی نے پاس آکر اسے سجدہ کیا اور کہا۔ اے خداوند اگر تو چاہے تو مجھے پاک و صاف کر سکتا ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو جا۔ اور فوراً کوڑھ پاک صاف ہو گیا (متی ۸: ۱-۳) اور ایسا ہوا کہ یروشلم کو جاتے ہوئے وہ سامریہ اور گلیل کے بیچ سے ہو کر جا رہا تھا اور ایک گاؤں میں داخل ہوتے وقت دس کوڑھی اس کو ملے۔ انھوں نے دور کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا۔ اے یسوع، اے صاحب ہم پر رحم کر۔ اس نے انھیں دیکھ کر کہا جاؤ اپنے تئیں کاہنوں کو دکھاؤ اور ایسا ہوا کہ وہ جاتے جاتے پاک صاف ہو گئے۔ (لوقا ۱۷: ۱۱-۱۴)

انجیل کے بعد برنا قدوں نے طرح طرح پر جرح کرکے پچھلی صدی میں اناجیل اربعہ کا گوشہ گوشہ مجروح کر ڈالا ہے لیکن اتنے جزو پر ناقدین بھی متفق ہیں کہ مسیح کے معجزات شفا بخشی ثابت شدہ ہیں۔ ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۵ (۱۹۲۹ء) طبع چہاردہم زیر لفظ بائیبل جو خاص انہی تحقیقات کے لئے ہے اس کا کالم ۲۰۶۔

اَحْيِ الْمَوْتٰى۔ برنباس حواری کی جو انجیل چلی آ رہی ہے اس میں تو معجزہ احیاء اموات کی تصریح بھی موجود ہے۔ (صفحہ ۴۳۱، ۴۳۷ انگریزی ایڈیشن) رہیں اردو انجیلیں موجودہ مسیحیوں کو مسلم اور ان کے نزدیک مستند ہیں وہ بھی اس ذکر سے خالی نہیں بلکہ ان میں متعدد مثالیں اس قسم کی معجزہ کی مذکور ہیں چنانچہ لوقا جو یونان میں طبیب کی حیثیت سے مشہور تھے ان کی جانب منسوب انجیل میں یہ درج ہے: تھوڑے عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ وہ نائین نامی ایک گاؤں کو گیا اور اس کے شاگرد اور بہت سے لوگ اس کے ہمراہ تھے جب وہ شہر کے پھاٹک کے نزدیک پہنچا تو دیکھا ایک مردے کو باہر لئے جاتے تھے وہ اپنی ماں کا اکلوتا تھا اور وہ بیوہ تھی اور شہر کے بہتیرے لوگ اس کے ساتھ تھے اسے دیکھ کر خداوند کو ترس آیا اور اس سے کہا رو نہیں پھر اس نے پاس آکر جنازے کو چھوا اور اٹھانے والے کھڑے ہو گئے اور اس نے کہا اے جوان میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ، وہ مردہ اٹھ بیٹھا اور بولنے لگا اور اس نے اسے اس کی ماں کو سونپ دیا۔ اور سب پر دہشت چھا گئی۔ (لوقا ۷: ۱۱-۱۶) نیز (۷: ۲۲) انجیل متی (۹: ۱۸-۲۵) میں ایک تازہ میت (ایک سردار کی لڑکی) کے جلا اٹھانے کا ذکر ہے۔ اور انجیل یوحنا (۱۱: ۱-۴۴) میں بڑی تفصیل کے ساتھ ایک چار روز کے دفن شدہ مردہ لعزر کے احیاء کا۔

بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ مزید تاکید و تصریح کے لئے اس فقرہ کو مکرر لایا گیا ہو کہ کہیں ان اعجازی تصرفات کو مسیح کی جانب نہ منسوب کر دینا، جو کچھ بھی ہوا، محض خدائے برحق کی قدرت و مشیت سے ہوا۔

صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ بعض اہل حال سے جو ایسے اقوال منقول ہیں جن میں وہ اپنی جانب سے ایسے افعال کو منسوب کر گئے ہیں جو حق تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں تو بشرط صحت نقل و دعوے غلبہ حال پر محمول ہوں گے لیکن ان میں جو اہل ادب ہیں وہ ہر ایسے موقع پر حضرت مسیح ہی طرح باذن اللہ یا اس کے مرادف کسی فقرہ کی قید لگا دیتے ہیں۔

اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ یہ بات آپ نے مثال اور نمونہ کے طور پر فرمائی یعنی تمہاری مخفی چیزوں پر بھی اللہ مجھے مطلع کر دیتا ہے۔

لَاٰيَةً۔ یعنی ان میرے معجزات اور موید من اللہ ہونے کی۔ حضرت مسیح کے ہاتھ سے خوارق کا بکثرت صادر ہونا تاریخ کا ایک مسلم واقعہ ہے خواہ ان کی توجیہ منکرین کچھ بھی کرتے رہے ہوں۔ یہود نے انہی خوارق کو دیکھ کر آپ کو ساحر و شعبدہ باز کہنا شروع کر دیا چنانچہ جوزیفس متوفی سنہ ۱۰۰ء نے اپنی تاریخ آثار یہود میں آپ کا ذکر اسی حیثیت سے کیا ہو اور جیوش انسائیکلوپیڈیا میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں لکھا ملتا ہے۔

یسوع نے بحیثیت معلم دین یا قانون ساز کے نہیں بلکہ شعبدہ باز کے اپنی زندگی میں شہرت عامہ حاصل کی ... جادو، منتر، باطنی ... حاصل کئے ہوں (جلد ۷، صفحہ ۱۶۷)

سنا ہے کل ترے در پر ہجوم عاشقاں ہوگا

شمس الحق ندوی

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝

★

کہتے ہیں کہ قیس عشق لیلیٰ میں ایسا کھویا ہوا اور گم رہتا تھا کہ اس کو کسی اور چیز کا احساس نہیں ہوتا تھا، دیوانوں کی سی کیفیت تھی، لیلیٰ کی بستی کے آنے والے کتے سے پیار کرتا تھا کہ یہ لیلیٰ کی گلیوں سے گزر کر آ رہا ہے۔ لیلیٰ کی بستی میں پہونچ جاتا تو در و دیوار کو بچھ بچھ کر چومتا وہاں کی ہر شے میں اس کو لیلیٰ ہی نظر آتی۔ اس کی یہ فریفتگی آج تک ضرب المثل ہے اور سچا عشق یہی ہوتا ہے۔

فرہاد نے شیریں کی خاطر پہاڑ کو کاٹ کر دودھ کی نہر جاری کرنے کی کوشش کی اسی اثناء میں اس کو کسی نے شیریں کے انتقال کی فرضی خبر سنائی تو اس نے تحقیق کی بھی تاب نہ رہی، اور اسی کدال سے اپنا سر پھوڑ کر دم توڑ دیا کہ شیریں نہیں تو زندگی میں مزہ کیا ...... عشق کے یہ دو ایسے قصے ہیں جو بڑے بھا جس سے زبان زد خاص و عام ہیں۔ کوئی بھی مثال اب تک ان کی جگہ نہیں لے سکی، ورنہ مادی معشوقوں اور مادی عاشقوں کی یہ داستان ختم ہو چکی نہیں جاتی، جب کوئی دل چوٹ کھاتا ہے تو انھیں سے تشبیہ دے کر اپنے انتہائی رنج و غم کی نشاندہی کرتا ہے۔ حالاں کہ اس سے بہت پہلے سے دنیا یہ دیکھ رہی ہے کہ آب و خاک سے بنی ہوئی ایک عمارت کی طرف جو در معشوق نہیں بلکہ جلوہ گاہ معشوق ہے مخلوق کس طرح ٹوٹی پڑتی ہے۔ محبوب و عزیز ترین چیزوں کو چھوڑ کر حتی کہ مال و اولاد وار و دیار سب کچھ چھوڑ کر، پیدل و سواریوں پر، ہواؤں میں اڑ اڑ کر، سمندروں کے سینوں کو چیر چیر کر، بڑے والہانہ اور فریفتگی کے عالم میں ایک دو کی نہیں، سو پچاس اور ہزار کی بھی نہیں بلکہ کئی کئی لاکھ کی تعداد میں روانہ ہو جاتی ہے۔ مرد بھی عورتیں بھی، بوڑھے بھی جوان بھی امیر بھی غریب بھی شاہ بھی گدا بھی۔ کیسا دیدنی منظر ہوتا ہے جیسے جیسے وہ دیار حبیب کے قریب ہوتے جاتے ہیں ان کی ایک ایک ادا نرالا اور انوکھا روپ اختیار کرتی جاتی ہے۔ حتی کہ صرف ایک چادر و لنگی میں ملبوس ہو کر محبوب کی بارگاہ میں حاضری کا جو آخری منظر کفن پوشی کا ہوتا ہے، وہ منظر پیش کرتے ہیں اور بزبان حال عرض کرتے ہیں۔

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

اسی حالت میں ستانہ وار لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ میں حاضر ہوں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں کا نعرہ لگاتے ہوئے روتے اور چلاتے ہوئے نالہ و فریاد کرتے ہوئے در بار عالی میں حاضر ہوتے ہیں۔ ع

چشم گریاں ، لب پر ہیں آرزو دل بیقرار

عشق مجسم سراپا تصویر درد بنے ہوئے کوئی اوپر تکتا ہے تو چہرے پر چھا جاتی ہے بار خاطر ہے۔ خیال یار میں گم ہیں تڑپ تڑپ اٹھتے ہیں، آنسوؤں کے ساتھ ہچکیاں بھی بے اختیار نکل جاتی ہیں ۔ ع

یاد کر لیتے ہیں اللہ، نہیں بھیجتے احباب
شکوہ کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہو

محبوب حقیقی سرور و خوش ہو کر فرشتوں سے فرماتا ہے میرے گھر کے مشتاقوں کو دیکھو میری طرف کیسے ہوئے بالوں اور گرد و غبار کی حالت میں آئے ہوئے ہیں۔ ... ع

ہجر میں کیسی دل میں درد و لب پہ آہ و نالے ہیں

ہوا اور لیے کھینچ کھینچ کر پہاڑوں کو پیاندکر سمندروں کو چیر کر، زمین کو سمیٹ کر بلد امین میں آ جمع ہوئے ہیں گلی کوچوں میں، سڑکوں پر بازاروں میں، خیموں میں، محلوں میں بس جہاں دیکھو وہی ہیں، رات ہو کہ دن ہو جب دیکھو اپنے رب کی تجلی گاہ خانہ کعبہ کے گرد چکر لگ رہے ہیں دوڑ دوڑ کر حجر اسود کو چومتے جا رہے ہیں، پردہ ہاتھ میں آگیا تو لپٹ لپٹ کر رو رہے ہیں جیسے دامن یار ہاتھ آ گیا ہو کھینچا تانی تک نوبت آ رہی ہے چھوڑنے کا جی نہیں چاہتا چلاّ اٹھتے ہیں ۔ ع

اے ناتوان عشق تجھے حسن کی قسم
دامن کو یوں پکڑ کہ چھڑایا نہ جا سکے

کوئی کچھ چھیڑے اور کچھ تو معذرت کرتے ہوئے اپنا حال زار یوں بیان کرتے جاتے ہیں ۔ ع

نہ آنکھوں سے ٹپکتی جھڑی آنسوؤں کی
جو غم کی گھٹا دل پہ چھائی نہ ہوتی

یہ سب ہو ہی رہا تھا کہ معشوق ازلی کے جشن و اہر کا اعلان پاکر اپنی مجبوری ناز شان کے ساتھ نکلے اور بھاگے بھاگے مزدلفہ جا پہونچے ابھی دم بھی نہ لینے پائے تھے کہ درد دل نے کسی اور سمت کو دھکیلنا اور کھینچنا شروع کیا عاشق کی سب سے بہتر ادا اور عشق کا مظہر نماز جس کو محبوب سب سے زیادہ پسند کرتا ہے اس کو وہ آج ایک وقت میں دو ملا کر پڑھیں گے ظہر و عصر ساتھ ادا ہوں گی، اور رخت سفر باندھ لیا جائے گا عین سفر کی حالت میں رات کی تاریکی آ گھیرے گی سورج جب کرنوں کو سمیٹ کر نماز مغرب کا اعلان کر چکا ہوگا مگر نماز کیوں کر ادا کریں جب کہ منزل پر پہونچنے سے قبل نہیں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے جب رات کی سیاہی پوری طرح چھا چکی ہوگی عشاق کے یہ قافلے اپنی منزل کو پہنچیں گے اور محبوب کی یاد میں کروٹیں بدل بدل کر رات گذاریں گے۔ ع

ایک جا رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں
دل کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

جس کے دل میں کچھ چوٹ ہو کوئی زخم لگا ہو دیوانگی سے کبھی سابقہ پڑا ہو وہی اس حقیقت کو کچھ سمجھ سکتا ہو اور اس کا مزہ لے سکتا ہے۔

ابھی کیا ہوا ہے، اب تک کیا ہو رہا ہے پہلا، یہ صفا و مروہ پر دوڑ رہے ہیں دوڑ کے صفا پر چڑھتے پھر اترتے ہوئے مروہ پر آ گئے۔ ایک دو نہیں سات سات چکر اسی شان و ادا کے ساتھ لگائے جا رہے ہیں پھر دیکھئے غصہ میں بھرے ہوئے عاشق و معشوق کے درمیان حائل ہونے والے بہکانے اور وسوسہ ڈالنے والے شیطان کو کس طرح کنکر یاں مار رہے ہیں اس کو ذلیل و رسوا کر رہے ہیں بڑی جو کمال کر تو عشق کی بھڑکتی ہوئی آگ کو اپنے مکر و فریب سے بجھا سکے مستی کا عالم طاری ہے معشوق کا ڈر نہ ہوتا اور کمال حکم کی خلاف ورزی کا خطرہ نہ ہوتا تو کتنے اپنی جانوں تک کو قربان کر دیتے اس مدہوشی کے عالم میں بھی اتنا ہوش ہے کہ ان کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو۔

جذبے تابی کو تسکین کی خاطر اتنی اجازت مل گئی کہ اگر تم جانثاری کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہو تو میرے نام پر جانوروں کی گردنوں پر چھری چلاؤ۔ وہ دیکھئے ان کی آن میں ہزاروں کی تعداد میں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں زمین پر تڑپتے ہوئے جانور نظر آ رہے ہیں۔ خون کی نہریں جاری ہیں گردنوں پر چھریاں پھیری جا رہی ہیں۔ کب مجنوں و فرہاد نے یہ ادا دکھائی ہوگی کوئی کہہ سکتا ہے کہ چشم فلک نے عشق و محبت کی ایسی ادائیں اور دیکھی ہے۔ تاریخ نے کوئی ایسا واقعہ ریکارڈ کیا ہے۔ پہلے اہل عجم جانوں کے منظر تو شاید نظر آ جاتے مگر یہ ادائے عاشقانہ کہاں کسی نے دیکھی ہوگی۔ ہاں جو کچھ ہے اور یہ سب کچھ جو یہاں ہو رہا ہے ضرور جلوہ گر ہے ... جو کسی ادائے دلبرانہ کا اثر ہے۔ کہ

گاہ ہے کھیلی سی ہر رگ ہے بے زوری کشند
عشق کی ابتدا عجب عشق کی انتہا عجب

یہاں سے فارغ ہوں گے اس نے اپنا گھر انسانیت کے دو دولت کدہ پر حاضری دیں گے جس نے عشق کی یہ آگ لگائی ہے جماعت جماعت کے لوگ ہوں گے گلے گلے میں عربی عجمی ہوں گے درود و سلام سے شغف ہوگا کوئی عربی کوئی عجمی کوئی حبشی کوئی ترکی

یہ نقش قدم کس کا ہے کیا ہے گردش دوام سے جلی
(باقی صفحہ ...)

مردانِ حق

ارشد حسین ایم۔ اے

امام محمد بن حسن اپنے وقت کے بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے مجلس میں کچھ لوگوں کے ساتھ جلوہ افروز تھے کہ خلیفہ ہارون رشید آ گئے۔ سب لوگ خلیفہ کے احترام میں کھڑے ہو گئے لیکن امام محمد بن حسن اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ خلیفہ ہارون رشید ان کے پاس تھوڑی دیر رک کر واپس چلے گئے۔ ابھی ان کو واپس ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ دربار خلافت سے امام محمد بن حسن کو بلانے کے لئے آدمی آیا۔ آپ اس کے ہمراہ ہارون رشید کے دربار میں تشریف لے گئے۔ جب خلیفہ کے سامنے پہونچے تو خلیفہ نے کہا۔ جب میں تمہاری مجلس میں پہنچا تو تم کھڑے کیوں نہیں ہوئے۔؟

امام محمد بن حسن نے فرمایا!

خلیفہ نے مجھے علماء کے طبقہ میں رکھا ہے۔ میں اس طبقے سے نکل کر عوام کے زمرہ میں آنا پسند نہیں کرتا۔ نیز آپ کے جد امجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جو شخص یہ بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں، تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔"

حق خدمت اور اعزاز ہی کے خیال سے کھڑے ہونا دشمن کے لئے ہیبت کا سامان ہے۔ میں نے وہی کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع جو آپ کے خاندان سے لگی ہے اور آپ کے لئے زینت ہے۔!

ہارون رشید نے یہ سن کر کہا! تم سچ کہتے ہو۔!

حضرت ابن ابی ذئب اپنے وقت کے عالم اور بہت بڑے محدث تھے۔ آپ حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے اسی سال خلیفہ منصور عباسی بھی حج کرنے آیا تھا۔ اتفاق سے حج کے موقع پر منصور کی ابن ابی ذئب سے ملاقات ہو گئی۔!

منصور نے ابن ابی ذئب سے پوچھا۔ میرے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔؟

آپ نے فرمایا! رب کعبہ کی قسم تمہارے ظالم ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

منصور کا حاجب ربیع بھی ساتھ تھا۔ اس نے یہ سن کر ابن ابی ذئب کی داڑھی پکڑ لی! منصور حاجب پر خفا ہوا اور کہا انھیں چھوڑ دو اور تین سو اشرفیاں ابن ذئب کی خدمت میں پیش کیں۔

حضرت سعید بن مسیب بڑے جلیل القدر تابعی تھے۔ ایک روز خلیفہ عبدالملک نے ان سے کہا۔ اب میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ اگر اچھا کام کرتا ہوں، تو اس کی کوئی خوشی نہیں ہوتی ہے۔ اور اگر برا کام کرتا ہوں تو اس کا کوئی افسوس نہیں ہوتا۔

آپ نے یہ سن کر فرمایا! اب تمہارا دل پوری طرح مردہ ہو گیا ہے۔

مشہور بزرگ حضرت سعید ابن جبیر کو مکہ معظمہ کے گورنر خالد بن عبد اللہ قسری نے حجاج بن یوسف ثقفی کے حکم سے گرفتار کر لیا۔ اور سعید بن جبیر حجاج کی طلب پر پولیس کی حراست میں کوفہ حجاج کے پاس تشریف لے جا رہے ہیں۔ سفر کی حالت میں دن کو روزہ رکھتے اور راتیں اپنے معبود کی عبادت میں گذارتے جو آدمی کوفہ سے آپ کو لینے آیا تھا اس نے راستہ میں ایک روز آپ سے کہا۔ مجھے معلوم ہے کہ میں آپ کو اس شخص کے پاس لے جا رہا ہوں جو آپ کو قتل کر دے گا۔ اس لئے آپ جہاں جانا چاہیں چلے جائیں۔!

حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا! حجاج بن یوسف کو اگر معلوم ہو گیا کہ تم نے مجھے گرفتار کیا اور پھر چھوڑ دیا تو وہ تم کو قتل کر دے گا۔ اس لئے یہی مناسب ہے کہ تم مجھ کو اس کے پاس لے چلو۔

حضرت سعید بن جبیر جب حجاج کے دربار میں پہونچے تو حجاج نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

تم شقی ابن کسیر ہو۔

سعید ابن جبیر۔ نہیں میں سعید بن جبیر ہوں۔

حجاج :۔ نہیں تم شقی ابن کسیر ہو۔

سعید ابن جبیر :۔ میری ماں تم سے زیادہ میرے نام سے واقف تھیں۔!

حجاج میں تمہاری دنیا کو دہکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا۔!

سعید ابن جبیر :۔ اگر میں یہ سمجھتا کہ تم میں اتنی قوت ہے تو میں خدا کے بجائے تم کو اپنا معبود بنا لیتا!

حجاج :۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا خیال ہے۔؟

سعید :۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔؟

حجاج :۔ ہاں۔

سعید :۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اولاد آدم کے سردار ہیں جو گزر گئے اور جو آنے والے ہیں ان سب سے آپ بہتر تھے اور آپ امام ہدیٰ اور رسول رحمت تھے۔

حجاج :۔ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔؟

سعید :۔ حضرت ابوبکرؓ غار حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے۔ اللہ نے دین سے انھیں معزز کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی سنت پر انھوں نے پورا پورا عمل کیا، اور آپ کے احکام میں کچھ تغیر نہیں کیا۔ مسلمانوں کو اختلاف سے بچایا اور ایک مرکز پر جمع کر دیا!

حجاج :۔ حضرت عمرؓ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔؟

سعید :۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک وہ بہترین آدمی تھے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت پر عمل کیا اور اللہ کے احکام پر چلے۔

حجاج :۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔؟

سعید :۔ انھیں ظالموں نے شہید کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیوں کی شادی ان سے کی۔ انھوں نے دشمنان اسلام سے جنگ کرنے کے لئے سامان مہیا کیا۔

حجاج :۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔؟

سعید :۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے، سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کی شادی کی۔

حجاج :۔ خلیفہ وقت عبدالملک کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔

سعید :۔ تم ایک ایسے شخص کے متعلق پوچھتے ہو جس کے گناہوں میں سے ایک گناہ تمہارا وجود ہے۔

حجاج :۔ میرے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔؟

سعید :۔ تم مجھ سے زیادہ اپنے متعلق جانتے ہو۔

حجاج :۔ تم بتلاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے۔؟

سعید :۔ تم کتاب اللہ کے خلاف عمل کرتے ہو۔ اپنے نفس کی پیروی کرتے ہو۔ لوگوں پر اپنی ہیبت قائم کرنے کے لئے وہ کام کرتے ہو جو ناجائز ہیں اور تمہارے یہ کام آخرت میں تمہاری ہلاکت کے باعث ہوں گے۔

حجاج :۔ تم کو میں اس طرح قتل کروں گا کہ نہ اس سے پہلے کسی کو اس طرح قتل کیا گیا ہے اور نہ تمہارے بعد کسی کو اس طرح قتل کیا جائے گا۔

سعید :۔ تم اپنے عمل سے میری دنیا خراب کرو گے اور میں تمہاری آخرت خراب کر دوں گا۔

حجاج :۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو معاف کر دوں۔

سعید :۔ اگر معاف کر دو گے تو خدا کی جانب سے ہوگا (تمہارا احسان نہ ہوگا۔)

حجاج :۔ تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔

سعید :۔ اگر میرا وقت آ گیا ہو تو اس سے مفر نہیں ہے۔

اس گفتگو کے بعد حجاج نے آپ کے قتل کا حکم دیدیا۔ حضرت سعید بن جبیر نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ہنستے ہوئے قتل گاہ کی طرف چلے۔ حجاج کو اطلاع ملی کہ اس وقت بھی سعید کے لبوں پر مسکراہٹ ہے۔ اس نے ان کو دربار میں واپس بلایا اور پوچھا۔ تم کس بات پر ہنس رہے تھے؟ حضرت سعید ابن جبیر نے فرمایا خدا کے مقابلہ میں تمہاری جرأتوں پر اور تمہارے مقابلہ میں اس کے حلم پر!

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

مسلمانوں کے خلاف

ایک خوفناک سازش

(محمد یوسف عباسی)

افریقی مسلمان اسلام کی محبت سے سرشار ہے وہ بڑا مخلص پرہیزگار اور سادگی پسند ہے لیکن عیسائیت کے فکری حملوں کا جواب دینے پر قادر نہیں۔ مغربی افریقہ میں اسلامی لٹریچر کا فقدان ہے۔ قرآن مجید کا ترجمہ بھی کسی مقامی زبان میں موجود نہیں۔ اس کے برعکس انجیل کے تراجم چھوٹی سے چھوٹی اور گمنام سے گمنام علاقائی زبانوں میں موجود ہیں اور لوگوں میں مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہو کہ دور افتادہ جنگل میں رہنے والا قبائلی بھی انجیل سے واقف ہے لیکن قرآن مجید عوام کے لئے کیا، پڑھے لکھے طبقہ کے لئے بھی ناقابل فہم کتاب ہے۔ اس کے کچھ اسباب ہیں نصف صدی پہلے جب لوگارڈ نے شمالی نائجیریا فتح کیا تو ہوسا (Hausa) زبان کا عربی رسم الخط تبدیل کر کے رومن رسم الخط رائج کر دیا۔ ہوسا مغربی افریقہ کی علمی زبان تھی۔ اس میں شیخ عثمان دان فودی اور سلطان بیلو کے علاوہ تمام دوسرے علماء کی تصانیف تھیں۔ رومن رسم الخط رائج ہونے سے نئی نسل عربی رسم الخط سے بالکل بیگانہ ہو گئی اور سارا علمی ذخیرہ بے کار ہو گیا مزید یہ کہ نئی نسل نے رومن رسم الخط میں اسلامی لٹریچر منتقل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ چنانچہ ذہنی و فکری خلاء وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ دینی تصانیف کا سلسلہ جو عثمان دان فودی نے شروع کیا تھا سلطان بیلو کے بعد ختم ہو گیا اور اس کی تجدید کے لئے کوئی مسلمان صاحب قلم میدان میں نہیں آیا۔ مزید ستم یہ کہ نائجیریا کے علماء قرآن مجید کا ترجمہ کرنے ہی کے مخالف ہیں۔ انہیں خدشہ ہے کہ ترجمے سے قرآن کے معانی میں انحراف کی راہیں پیدا ہو جائیں گی۔ چنانچہ ترجمے کی کوئی کوشش آج تک بار آور نہ ہو سکی۔

دینی تعلیم عربی میں دی جاتی ہے اور وہ بھی پرانے انداز کی۔ عربی کو اسلام کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ لڑکے نے عربی پڑھ لی اور گویا علم دین حاصل کر لیا اس پر یہ کہ دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے معاشی ذرائع ناپید ہیں۔ لہٰذا سمجھدار والدین دینی محبت کے باوجود اپنے بچوں کو عربی مدارس میں زندگی برباد کرنے کے لئے نہیں بھیجتے ہیں۔ مقامی مسلمانوں کے اسکول اور تعلیمی ادارے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تعلیم پر حکومت اور عیسائی اداروں کا تصرف ہے جہاں اکثر مسلمان طلبہ انجیل کی تعلیم (Bible) پاتے ہیں۔ اسلامی تعلیم کے مراکز نہیں ہیں۔ تو اہل نظر کہاں پیدا ہوں گے اور وہ عیسائیت کے فکری حملوں کا جواب کیونکر دیں گے۔؟

متعدد شہروں میں چھوٹی چھوٹی مقامی انجمنیں ہیں اور ایک انجمن مسلم اسٹوڈنٹس سوسائٹی ملک گیر بنیادوں پر قائم ہے۔ اس انجمن کے صدر عبد الرزاق سوالا جامعہ احمد بیلو کے گریجویٹ اور دردمند مسلمان ہیں۔ مغربی نائجیریا کی مسلم ایسوسی ایشن بیدار اور روشن خیال جماعت ہے جس کے صدر ممبر بالا فنفوا (Bala Fanfuwa) ہیں۔ یہ انجمن مسلمانوں کی تعلیمی مشکلات سے پوری طرح باخبر ہے۔

اس نے حال ہی میں صدر مملکت کو نہایت جرأت مندانہ یاد داشت پیش کی ہے جس میں مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کی طرف توجہ دلائی اور مناسب اصلاحی تدابیر کا مطالبہ کیا۔ کدونا میں جماعت نصر الاسلام مفید کام کر رہی ہے۔ پچھلے سال نوجوانوں نے نور الاسلام کے نام سے ایک تنظیم انجمن قائم کی ہے اور ان میں اسلامک انٹلیکچوئل سنٹر قائم ہے جو عبد القادر و عبد المطلبی الالبانی اور شیخ جیموہ کی مساعی کا نتیجہ ہے اور اس نے ایک نیا جذبہ بیدار کر دیا ہے۔ اسی طرح الحاجی آدم اور اے بی الاقاء نے ایک چھوٹے سے مقام اور و (Iwo) میں ایک تبلیغی جماعت بنائی اور ایک مسلم اسکول کی بنیاد رکھی ہے۔ شمالی نائجیریا کے سب سے بڑے شہر کانو میں کالجوں اور اسکولوں کے اساتذہ نے ایک انجمن نور الاسلام قائم کی ہے۔ یہ سب انجمنیں اپنی جگہ مصروف عمل ہیں لیکن ان کا آپس میں کوئی رابطہ ہے نہ اتحاد عمل۔ مسلمانوں میں بحیثیت مسلمان سیاسی و اجتماعی شعور کا فقدان ہے۔ سب شعوب و قبائل میں گم ہیں، وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ تو مسلمان کی حیثیت سے نہیں، یوروبا (Yoruba) ہوسا (Hausa) فولانی (Falani) اور کنوری (Kanuri) کے روپ میں ملتے ہیں۔ قبائلی عصبیت کی اس شدت اور اسلامی شعور کے فقدان کا نتیجہ یہ ہے کہ مغربی افریقہ کے کسی ملک میں بھی کوئی ایسی ملک گیر سیاسی جماعت وجود میں نہ آ سکی جس کی اساس اسلام ہو۔

ادھر مسلمانوں کی جمعیت پریشاں کا یہ عالم ہے ادھر اسے عالمی عیسائیت کی منظم قوت سے مقابلہ درپیش ہے۔ افریقی کلیسا کا اندازہ برصغیر ہند و پاک کے عیسائی اداروں سے کرنا درست نہ ہوگا۔ ۵۰ ادارے اپنی جگہ پر خود مختار ہونے کے باوجود افریقی کلیسا کا عنصر ترکیبی نہیں۔ افریقی ممالک میں کلیسا کی تنظیم گویا ریاست در ریاست ہے، امریکی، برطانوی، ولندیزی اور فرانسیسی عیسائیت کے کل پرزے ہر ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کلیسائے روم کی شاخیں ہر شہر میں موجود ہیں۔ ہر عیسائی ادارے نے اپنی تنظیم ملکی بنیادوں پر قائم کر رکھی ہے۔

مشنری اداروں کے پاس اپنے طیارے ریڈیو اسٹیشن ہیں جن کے ذریعہ دور افتادہ مشنریوں کو امداد دوا اور خوراک پہنچائی جاتی ہے۔ ان کے مالی وسائل لامحدود ہیں۔ امریکا اور یورپ کے عیسائی ادارے اور متمول لوگ ان کی پشت پر ہیں۔ چنانچہ مشنریوں نے ہر ملک میں کالجوں اسکولوں اور ہسپتالوں کا وسیع جال بچھا رکھا ہے۔ ہر سال کروڑوں پونڈ عیسائیت کی تبلیغ پر صرف کئے جاتے ہیں۔ مشنریوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ بنگلے موٹر کاریں اور دیگر سہولتیں مفت مہیا کی جاتی ہیں۔ ریٹائر ہونے والے مشنریوں کو بھاری پنشن اور عمر بھر مراعات ملتی ہیں۔ اس طرح تبلیغ عیسائیت ایک پرکشش پیشہ بن گیا ہے۔ چنانچہ انگریز نوجوان اس پیشے کو اپنا رہے ہیں۔ مشنریوں کا مقصد محض تبلیغ نہیں بلکہ اسلام دشمنی ہے۔

چونکہ ہر جگہ مذہب جدید علم کی تعلیم کے لئے ناکافی ہیں اس لئے مشنریوں کو اپنے مقاصد کی تکمیل میں کوئی دقت نہیں آتی۔ مسلمان عہدیدار بالعموم مرعوبانہ ذہنیت رکھتے ہیں اور عیسائی اداروں میں تعلیم پاکر اسلام کے متعلق معذرت خواہانہ موقف کے حامی ہوتے ہیں۔ مشنری اپنے اثر و رسوخ سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ سارے شمالی نائجیریا کے اسکولوں میں بائبل نالج کے اساتذہ مشنری ادارے مفت مہیا کرتے ہیں۔ ادھر مسلمان طلبہ کو دینیات پڑھانے کے لئے انگریزی تعلیم یافتہ مناسب اساتذہ نہیں ملتے۔ ذریعہ تعلیم چونکہ انگریزی ہے۔ اس لئے دینیات کے جو استاد انگریزی نہیں جانتے وہ تعلیمی تقاضے پورا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ مشنری ملکی معیشت کے کئی شعبوں پر حاوی ہیں اور ان کا دائرہ عمل بڑا وسیع ہے کتابوں کا بیشتر اور کھیلوں کے سامان کی تجارت پر ان کی اجارہ داری قائم ہے۔ انہوں نے بڑے بڑے شہر میں دوکانیں کھول رکھی ہیں اور سرکاری اور نجی اداروں کو کتابیں اور کاپیاں اور کھیل کا سامان وغیرہ فراہم کرتے ہیں۔ ہر سال لاکھوں کا کاروبار ہوتا ہے۔ سیکڑوں نوجوان عیسائیوں کو روزگار ملتا ہے بڑے شہروں میں تو پھر بھی کہیں اسلامی انجمنیں قائم ہیں، دیہات اور دور افتادہ مقامات میں مسجدیں تک نہیں۔ یہ پسماندہ علاقے مشنری سرگرمیوں کا خصوصی ہدف ہیں۔ نائجیریا میں جاس کی سطح مرتفع کا علاقہ ۹۰ فیصدی عیسائی ہو چکا ہے۔ بینوے کا بار اور اوہدا کے صوبوں میں ان کی کامیابی کی رفتار حیرت انگیز ہے کابجو اور سکوٹو کے علاقے جو مسلمانوں کے تاریخی مراکز ہیں اور جہاں دان فودی عثمان کی تحریک جہاد اٹھی تھی وہاں بھی عیسائی اسکولوں اور ہسپتالوں کی بدولت سیکڑوں مسلمان عیسائی ہو چکے ہیں۔ سکوتو میں تو بانی تحریک کا صدر مقام ہے۔

مسلمانوں کو حقیقی صورت حال سے بے خبر رکھنے کے لئے عیسائی بڑے شاطرانہ نفسیاتی حربے استعمال کر رہے ہیں۔ وہ دنیا بھر میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انہیں ناکامی ہو رہی ہے اسلام تیزی سے بڑھ رہا ہے اور ہزاروں لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ وہ اس صورت حال پر تشویش

کے آنسو بھی بہاتے ہیں لیکن مشنریوں کی خبر رپورٹیں اس کے برعکس ہیں۔ مقامی حالات کا تحقیقی جائزہ لینے سے اصلی تصویر صاف عیاں ہو جاتی ہے۔ مشنری ہر قریہ اور شہر میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ درجنوں گاؤں ایسے ہیں جو پچھلی نسل میں مسلمان تھے لیکن اب وہ پورے عیسائی ہیں۔ یہ تو عام بات ہے کہ باپ امام مسجد ہے تو بیٹا عیسائی۔ مسلمان لڑکیاں عیسائی لڑکوں سے شادی کرتی ہیں اور ان کی تصویر اخبارات میں چھپوائی جاتی ہیں۔ ایک بھائی مسلمان ہے تو تین عیسائی۔ عیسائی بننے کے مراحل یوں طے ہوتے ہیں۔ بچے گھر میں کسی قسم کی اسلامی تعلیم نہیں پاتے۔ اکثر گھروں میں قرآن تک نہیں۔ قرآن پڑھتا کون ہے؟ آگے کا فہم تو بعد کی چیز ہے۔ اسلامی اسکول نہیں۔ اس لئے بچے مشنری اسکولوں میں داخل ہوتے ہیں اور ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں عیسائی ہو کر نکلتے ہیں۔ یہ سلسلہ نہایت منظم اور خاموشی سے جاری ہے۔ بچے عیسائی ہو جاتے ہیں تو نہ والدین کوئی اضطراب محسوس کرتے ہیں نہ مسلمان سوسائٹی کوئی قدغن لگاتی ہے۔ [illegible] فیشن پرستی کا شکار ہو کر عیسائیت قبول کرتی ہیں۔ گرجوں میں جدید موسیقی اور جدید فیشن سکھائے جاتے ہیں اس لئے گرجے عبادت گاہ سے زیادہ فیشن کے مرکز ہیں۔ جہاں نوجوان جوڑے رومانی فضا میں ملتے ہیں اور عیسائی ہو جاتے ہیں۔ نائیجیریا کے انتہائی شمالی علاقہ میں مسلمانوں کا ایک اسکول بھی نہیں ہے۔ شیخ کویت کی فیاضی سے کڈونا میں اب ایک اسلامیہ اسکول ثانوی درجہ تک قائم ہوا ہے۔ یوربا کے لوگ مقابلۃً زیادہ بیدار ہیں۔ اس علاقہ میں انصار الدین اور انصار الاسلام نے اسکول کھول رکھے ہیں جہاں جدید ثانوی درجے میں اسلامیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مگر بعض اسکولوں میں صرف عربی پڑھائی جاتی ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ان اسکولوں کے بیشتر اساتذہ اور پرنسپل عیسائی ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ مغربی نائیجیریا میں لڑکیوں کے اسلامیہ ہائی اسکول کا پرنسپل ابھی قریب تک ایک ہندو تھا۔ ایک شہر میں مسلمان لڑکیوں کا اسکول بند کروا کر عیسائیوں نے اس عمارت میں اپنا کمرشل کالج قائم کر لیا۔

مغربی افریقہ کے اکثر ملکوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ لیکن یہ اکثریت سیاسی طور پر بے اثر اور مفلوج ہے۔ اقتدار پر عیسائی اقلیت قابض ہے۔ صدر عیسائی ہیں۔ فوج اور سول محکموں کی زمام عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ مشنری آہستہ آہستہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے سوچے سمجھے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔ مشہور امریکی مشنری بلی گراہم نے نائیجیریا میں مسلم اکثریت کی [illegible] دینے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن کسی مقامی مسلمان نے اس کی تردید کی زحمت یا جرأت نہ کی۔ امریکہ اور برطانیہ مشنریوں کی باقاعدہ پشت پناہی کر رہے ہیں۔ جب بھی ان اداروں کی خطرناک سرگرمیوں کی طرف کسی نے توجہ کی، مغربی دنیا خصوصاً امریکہ اور برطانیہ حرکت میں آ گئے ہیں۔ شیخ [illegible] نے مشنری سرگرمیوں کے سدباب کے لئے اقدامات کئے تو سارے مغربی اخبارات نے واویلا شروع کر دیا۔ جنوبی سوڈان میں آزاد عیسائی ریاست قائم کرنے کے لئے مشنری ادارے مقامی باغیوں کی رہنمائی اور ان کو اسلحہ فراہم کر رہے تھے۔ سوڈان کی حکومت نے مفسد مشنری عناصر کو ملک بدر کیا تو امریکی اور برطانوی پریس نے رواداری اور انصاف کے نام پر ہنگامہ برپا کر کے اصل حالات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ اب بھی [illegible] کی امداد کے لئے تقریباً دو سو مشنری موجود ہیں۔ جب وفاقی حکومت کی فوجیں کسی گاؤں کے قریب پہنچتی ہیں تو گرجے کی گھنٹیاں بجا کر باغی فوج کو خبردار کر دیا جاتا ہے۔ طرّہ یہ کہ ملزم شمالی نائیجیریا کی مسلمان اکثریت کو گردانا جاتا ہے۔ اس نے عیسائی بیافرا پر حملہ کیا ہے۔ حالانکہ شمالی نائیجیریا کو چھ ٹکڑوں میں بانٹا جا چکا ہے جن میں تین ریاستوں کے گورنر عیسائی ہیں۔ وفاقی حکومت کے سربراہ بھی عیسائی۔ فوج میں جنرل [illegible] کے بقول ۹۰ فیصدی سے زیادہ عیسائی ہیں مگر مسلمان اکثریت پھر بھی موردِ الزام ہے۔ اس وقت افریقی مسلمانوں پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ ذہنی لحاظ سے وہ مفلوج ہیں اور سیاسی اعتبار سے ان کا وجود خطرے میں ہے۔ یہ ہے وہ حقیقی تصویر جو یہاں بچشم سر دیکھ رہا ہوں۔ جب اس صورت حالات پر غور کرتا ہوں تو میرے احساسات پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور بے اختیار پکار اٹھتا ہوں۔ یا اللہ کیا افریقہ دوسرا اسپین بن جائے گا؟

عیسائیت اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک عظیم چیلنج ہے۔ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی یہ چیلنج بے حد توانا ہے لیکن سیاہ افریقہ میں تو یہ زبردست خطرہ بن چکا ہے۔ اس کا جواب صرف مسلمان دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ پورے عالم اسلام میں مسلمانوں ہی پر یہ فرض زیادہ عائد ہوتا ہے جو اسلامی جمہوریت کے مدعی نہیں۔ تاہم اس کے لئے عظیم تیاری کی ضرورت ہے۔ عیسائیت چاروں طرف سے حملہ آور ہو رہی ہے اور اس سے ہمیں جو کبھی جنگ لڑنا ہوگی یہ واضح رہے کہ محض جذبات سے کام نہیں چلے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مسئلہ کا ہمہ پہلو تجزیہ کیا جائے اور ایک جامع منصوبہ بنا کر اپنی تمام ذہنی اور مادی قوتیں اسے عملی جامہ پہنانے میں صرف کر دی جائیں۔ میرے نزدیک یہ منصوبہ مندرجہ ذیل خطوط پر مرتب ہونا چاہئے۔

۱۔ اصحاب علم و تحقیق پر مشتمل ایک اسلامی پاسبان کمیٹی قائم کی جائے جو بقول اقبال Watch Dog کا کام کرے۔ اسلام کو جتنے بھی فکری خطرات درپیش ہوں ان سے مسلمان ممالک اور عوام کو آگاہ کرے۔ مغرب کے تاریخی، سیاسی، مذہبی، معاشی اور اقتصادی لٹریچر کا باقاعدہ مطالعہ کرتی رہے اور اسلام کے خلاف پیدا کردہ تعصبات کی تردید میں انگریزی، فرانسیسی اور جرمن وغیرہ مختلف زبانوں میں علمی کتابیں اور مقالات شائع کرے۔ اس ضمن میں افریقی ممالک میں مروج نصابی کتابوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔ اور مرعوبانہ ذہنیت اختیار کرنے کے بجائے مثبت اور پرزور انداز میں اسلام کے متعلق پھیلائی ہوئی غلط بیانیوں کا جواب دیا جائے۔

۲۔ افریقی ممالک میں منظور شدہ نصاب تعلیم کے مطابق تاریخ اور دینیات پر اسلامی نقطہ نظر سے کتابیں لکھی اور چھاپی جائیں اور متعلقہ ممالک کو مہیا کی جائیں۔

۳۔ مشنریوں نے افریقی ممالک میں جو من گھڑت لٹریچر پھیلایا ہے اور اسلامی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کیا ہے ان پر وسیع تبصرہ تیار کیا جائے۔ افریقی بچوں کے لئے بھی آسان اور عام فہم زبان میں اسلامی لٹریچر مرتب کیا جائے۔

۴۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کی اشاعت کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔ یہ کام یکے بعد دیگرے یا بیک وقت دو مرحلوں میں کیا جا سکتا ہے۔ پہلے مرحلے میں قرآن و حدیث سے متعلق اخلاقی، معاشرتی اور دینی و تہذیبی مسائل پر احکام و تعلیمات مع ترجمہ کتابچوں کی صورت میں شائع کی جائیں۔ ترجمہ مختلف زبانوں میں ہونا چاہئے۔ انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، ہسپانوی، اطالوی، ہوسا، یوربا، اشانتی اور سواحلی کو اہمیت دی جائے۔ یہ کتابچے مفت تقسیم کئے جائیں۔ دوسرا مرحلہ قرآن و حدیث کے مکمل تراجم کا ہے۔ اس مقصد کے لئے ہر زبان کے [illegible] کا بورڈ مقرر کیا جائے۔ انگریزی میں قرآن مجید کے کئی اچھے تراجم موجود ہیں۔ مسئلہ صرف انہیں کم داموں پر شائع کرنے کا ہے۔ البتہ دوسری زبانوں میں منظم کوششوں کی ضرورت ہے۔ اسی مرحلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ مختصر مگر دلکش اور موثر انداز میں مختلف زبانوں میں شائع کی جائے۔

۵۔ ایک تبلیغی ادارہ قائم کیا جائے جس میں مبلغین کی تعلیم اور تربیت کا انتظام ہو۔ یہ مبلغین صرف عالم دین ہی نہ ہوں فنی ماہر بھی ہوں تاکہ وہ پسماندہ افریقی ممالک میں سودمند کردار ادا کر سکیں۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ ادارہ ڈاکٹر، انجینیر اور اساتذہ وغیرہ بھرتی کرے۔ ان کو مناسب دینی تعلیم دے۔ انھیں اجتماعی نفسیات سے روشناس کرے۔ دور حاضر کے نئی ترقی، سیاسی حالات اور فکری رجحانات سے باخبر کرے۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ اور تجزیہ ان کے نصاب کا جزو ہو۔ انھیں جس علاقہ کے لئے منتخب کیا جائے اس کی زبان پر کامل عبور حاصل ہو۔ اس کی تاریخ اور رسم و رواج سے گہری واقفیت ہو۔ عیسائی مشنری اداروں کی سرگرمیوں اور طریق کار سے بھی پوری طرح آگاہ ہوں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد انہیں معقول مشاہرے پر ملازم رکھا جائے تاکہ بہترین دماغ اس طرف راغب ہوں۔ مبلغ چاہے تھوڑے ہوں مگر ہوں اعلیٰ پائے کے۔ ان مبلغین کو افریقی ملکوں میں ڈاکٹر، انجینیر اور اساتذہ وغیرہ کی حیثیت سے ملازمت بھی دلوائی جا سکتی ہے۔ سینکڑوں عیسائی مبلغ اسی طرح کام کر رہے ہیں۔ وہ افریقی حکومت کے ملازم ہیں اور اپنے فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ خاموشی سے تبلیغ عیسائیت میں مصروف ہیں۔

۶۔ افریقی ممالک میں مسلمانوں کے اشتراک عمل اور ان کی انجمنوں اور اجتماعی اداروں کے اعتماد و تعاون سے اسلامیہ اسکول قائم کئے جائیں جن کے انتظام میں پاسبان کمیٹی بھی شامل ہو۔ ان اسکولوں کے اپنے ہیڈ ماسٹر اور اساتذہ مقرر کئے جائیں۔ ضروری نہیں کہ سارا اسٹاف باہر سے بھیجا جائے۔ بس چند اعلیٰ اساتذہ اور منتظم اساتذہ نامزد کئے جائیں تاکہ وہ مالی امداد کے مصرف پر نظر رکھیں۔ سیرالیون، گیمبیا

(باقی صفحہ [illegible])

مطالعہ شخصیت

ایک فرانسیسی مستشرق کا ذخیرۂ علمی

لیلیان سیکسٹن

انیسویں صدی میں یورپ میں عام طور پر لوگوں کو مشرق سے گہرا لگاؤ پیدا ہو چکا تھا اور وہ اس ضمن میں بڑی دلچسپی اور نہایت جوش و خروش کا اظہار کر رہے تھے۔ بریں ہمہ ایک کثیر طبقہ کے لئے مشرق ایک سحر انگیز خواب و خیال کی دنیا تھا یا پھر یہ ایک ایسا مقام تھا جو ان کے لئے دنیا کے ایک دوسرے سرے پر واقع ہو۔

لیکن کچھ ایسے افراد بھی تھے جو مشرق سے دور رہنے کے باوجود اپنے کتب خانوں کی خاموش فضا میں اس خطۂ ارض کو سمجھنے اور اس کی روح کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے ہمہ تن مصروف تھے۔ گارساں دتاسی بھی ان میں سے ایک لیکن ممتاز ترین فرد ہے۔ ان دنوں برطانیہ کے بعض علماء ہندوستانی زبان و ادب سے دلچسپی رکھتے تھے لیکن گارساں دتاسی اس میدان میں فرانسیسی مستشرقین میں پیش رو بلکہ مستقل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حقیقت میں اس بلند مقام کو حاصل کرنے کے لئے بڑی ذہنی کاوش اور تجسس نیز صبر و استقلال اور غایت درجہ کے انہماک کی ضرورت ہے۔ مگر گارساں دتاسی یہاں بالکل تنہا نظر آتا ہے۔ کچھ یہی وجہ ہے کہ اس کی قدر و منزلت کو بالآخر سرکاری طور پر تسلیم کرنا پڑا اور پیرس کے ادارۂ السنۂ مشرقیہ کا ہندوستانی شعبہ محض ان کی خاطر وجود میں آیا۔ اس کا بیّن ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اس کی موت کے ساتھ ساتھ یہ شعبہ بھی ختم کر دیا گیا۔

گارساں دتاسی ۲۵ جنوری ۱۷۹۴ء میں بمقام مارسیلز پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم پائی۔ مارسیلز اس وقت آزاد بندرگاہ تھا اور مشرق کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ گارساں دتاسی نے عربی بول چال یہیں سیکھی تھی۔ جب انہیں مشرقی زبانوں کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا تو وہ ۱۸۱۷ء میں پیرس گئے تاکہ مشہور فرانسیسی مستشرق اِس دِ ساسی کے خطبات میں شریک ہو سکیں اور رہبری حاصل کر سکیں۔

پیرس میں گارساں نے عربی، فارسی اور ترکی زبانیں علی الترتیب پڑھیں۔ ۱۸۲۳ء سے اِس دِ ساسی ادارہ علوم مشرقیہ کے ناظم مقرر ہوئے اور ان کی حوصلہ افزائی پر گارساں کو ہندوستانی زبانوں کے مطالعہ کی غرض سے انگلستان جانے کا موقع ملا۔ اِس دِ ساسی اپنے ادارے میں ہندوستانی شعبہ کھولنے کے بڑے متمنی تھے اور انھوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے گارساں کا انتخاب کیا تھا۔ گارساں اپنے استاد کے بڑے اطاعت گزار نکلے عمر بھر استاد کی وفاداری کا دم بھرتے رہے۔

۱۸۲۸ء میں جب کہ ان کی عمر صرف ۳۴ سال تھی ان کے استاد نے گارساں کی خاطر حکومت کو ہندوستانی کا شعبہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی اور حکومت نے اسے تسلیم کر لیا۔ گارساں اپنے عہد کا پہلا کم عمر فرانسیسی مستشرق تھا جس نے فرانس میں علوم مشرق کے مطالعہ کی از سر نو تنظیم کی۔ عجیب و غریب دور تھا کہ لوگ گرچہ مشرقی زبانوں سے ناآشنا تھے پھر بھی اس کے سیکھنے کے لئے بڑی دلچسپی کا اظہار کرتے تھے۔ دی ساسی نے عربی خود سیکھی تھی لیکن گارساں کو کچھ بہتر مواقع حاصل ہوئے۔ اول اس لئے کہ طلبہ کے لئے انگریزی میں ہندوستانی زبانوں کے متعلق بعض کتابیں موجود تھیں۔ دوسرے انگلستان میں ہندوستانی زبانوں کے مطالعہ کے لئے ادارہ قائم تھا۔ پھر بھی ابتدائی مراحل کو چھوڑ کر گارساں نے خود ذاتی طور پر کام کیا ہے۔ گارساں صحیح معنوں میں ایک اسکالر تھے۔ اس لئے کہ ان کی نگاہیں سیاسی اور مادی مفاد سے پاک اور بے لاگ ہیں۔ اس کے دوستوں اور عزیزوں کے خاندانوں میں ایسی روایات اب بھی سننے میں آتی ہیں کہ وہ ایک خلوت پسند سنجیدہ شخصیت کے مالک تھے اور کتابوں کے علاوہ کسی چیز سے شغف نہ رکھتے تھے وہ تنہا کام کرنا پسند کرتے تھے۔ اور ان کے دوست نامہ نگار دوسرے ملکوں سے ان کے پاس علمی و ادبی معلومات، فہرست کتب، اخبارات، کتابیں اور رسالے بھیجتے رہتے۔ جن کو گارساں پڑھتے اور مضامین تیار کرتے تھے۔ ادارہ علوم مشرقیہ پیرس کے کتب خانے میں گارساں کی ایسی ذاتی کتابیں موجود ہیں جن کے حاشیوں پر اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نوٹ موجود ہیں اس لئے کہ اسے ہر وقت اپنی کتابوں میں باتوں کا اضافہ کرنے اور دوسرے ایڈیشن کو زیادہ مکمل بنانے کا خیال رہتا تھا۔ ان کی بعض کتابوں کے چار ایڈیشن نکلے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ گارساں نے ان میں بتدریج کیا کیا ترمیمیں اور اضافے کئے ہیں۔ ہندوستانی کے پروفیسر ہونے کے بعد انھوں نے ہندوستانی ہی کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا۔ ہندوستان کی ہر چیز ادب، زبان، مذہب، تمدن، ثقافت اور تاریخ سے ان کو لگاؤ تھا اور جیسا کہ ان کی تصانیف سے واضح ہے انہوں نے ہر پہلو سے دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔

گارساں نہ تو کبھی مشرق گئے اور دو تین مرتبہ انگلستان جانے کے سوا نہ کبھی فرانس سے قدم نکالے اس کے باوجود جب کبھی ہندوستانی پیرس سے گزرتے تو ان سے ضرور ملتے تھے۔

وہ تقریباً پچاس سال تک یعنی اپنی وفات ستمبر ۱۸۷۸ء تک درس و تدریس میں مصروف رہے۔ اس وقت ان کی عمر ۸۴ سال تھی ان کے درس میں صرف فرانسیسی نہیں بلکہ انگریز اور دوسرے غیر ملکی طلبہ بھی شریک ہوتے تھے۔ وہ فرانس کی ایشیاٹک سوسائٹی کے بانیوں میں سے تھے اور بعد میں اس کے صدر بھی ہو گئے تھے۔ وہ بہت سی غیر ملکی سوسائٹیوں اور علمی اداروں کے رکن و نائب رکن بھی تھے۔

انہوں نے اپنے ایک شاگرد [illegible] کو خاص طور پر اس کام کو چلانے کے لئے تیار کیا تھا لیکن گارساں کی وفات کے بعد حکومت نے اردو شعبہ کو ختم کر دیا۔ اس طرح گارساں اس شعبہ کا پہلا اور آخری شخص تھا۔

گارساں کی کوشش معلم کی حیثیت سے نتائج خیز زیادہ بار آور نہ ہو سکی اس لئے کہ پچاس سال کی تعلیم کے بعد بھی کوئی ایسا جانشین نہ تھا جس کی علمی اور ادبی شخصیت کو ترجیح دے کر حکومت شعبہ اردو کو برقرار رکھتی۔ اس کے برعکس گارساں بحیثیت اسکالر اور مترجم کی حیثیت سے جیسا کہ اکثر فرانسیسی اور دوسرے غیر ملکی اداروں نے تسلیم کیا ہے وہ نہ صرف اپنے دور میں بلکہ دور حاضر میں بھی بڑی وقعت و عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اور ان کی تحریریں آج بھی قابل قدر ہیں۔

اس جگہ گارساں کے اہم ترجموں کی فہرست دی جاتی ہے۔ ان کی دوسری تصانیف و تالیف کے برعکس ان کے ترجموں تک عام و خاص سب کی رسائی تھی۔ اس وقت ان میں سے اکثر ترجمے ہندوستانی سے فرانسیسی میں کئے گئے تھے آج ان کی اہمیت مسلم ہے اس لئے کہ فرانسیسی زبان میں دوسرے ترجمے موجود نہیں۔ ان کی کتاب تاریخ ادب ہندوستانی کے علاوہ جو بجائے خود ایک انتخاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان ترجموں کی فہرست ذیل میں درج ہے۔

۱۔ انتخاب ہندی اور ہندوستانی ۱۸۲۶ء
۲۔ ہندوستانی انتخاب
۳۔ ولی کے کلام کی تدوین و ترجمہ ۱۸۳۳ء
۴۔ گل بکاؤلی کا خلاصہ ۱۸۳۵ء
۵۔ باغ و بہار [illegible]
۶۔ کامروپ [illegible] تحسین الدین ۱۸۳۴ء اور ۱۸۳۵ء
۷۔ بوستان سعدی ۱۸۵۹ء
۸۔ آثار الصنادید ۱۸۶۱ء
۹۔ تاج الملوک اور بکاؤلی ۱۸۵۸ء
۱۰۔ [illegible] ۱۸۵۲ء
۱۱۔ عربی، ہندوستانی اور فارسی گیتوں اور نظموں کا انتخاب (دوسرا ایڈیشن)
۱۲۔ ایک ہندوستانی ڈرامہ ۱۸۶۸ء
۱۵۔ شکنتلا کی داستان ۱۸۵۲ء
۱۶۔ مرثیہ حیدری ۱۸۵۰ء
۱۷۔ اقتباسات اخوان الصفا ۱۸۴۲ء

۱۱۔ خود نوشت لغات یا ابتدائی مضمون ۱۸۵۰ء
۲۔ یہ تحقیقی علمی اور تعلیمی تصنیف و تالیف کی فہرست ہے۔

۱۔ تاریخ ادب ہندی اور ہندوستانی۔
پہلا ایڈیشن جلد اول ۱۸۳۹ء جلد دوم ۱۸۴۷ء
دوسرا ایڈیشن ۳ جلدیں ۱۸۷۰ء اور ۱۸۷۱ء
۲۔ … ۱۸۵۰ء تا ۱۸۶۹ء ہر سال کا خطبہ الگ شائع ہوتا تھا۔ اس کے بعد ۱۸۷۴ء میں ۱۸۵۰ء تا ۱۸۶۹ء کے خطبات کا مجموعہ شائع ہوا جس میں ۳۰۸ صفحات تھے۔
۳۔ ہندوستانی مصنفین اور ان کے کاموں کا مجموعہ جو اصل تذکروں سے مرتب کیا گیا تھا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا۔ یہ دونوں تاریخی اور لسانی ادب ہندوستانی کا خلاصہ ہیں۔
۴۔ ہندوستانی زبان کے عناصر ۱۸۲۹ء دوسرا ایڈیشن ۱۸۶۳ء
۵۔ ہندی زبان کے عناصر ۱۸۳۰ء
۶۔ ہندوستانی زبانوں کے عناصر کا ضمیمہ ۱۸۳۳ء
۷۔ مشرق اسلامیہ کا عروض (جس میں فارسی، ترکی اور ہندوستانی شامل ہیں) ۱۸۳۸ء
۸۔ مسلمانوں کا علم بدیع جو کہ حدائق البلاغت کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے ۱۸۴۴ء اور ۱۸۴۸ء
۹۔ رباعیات عمر خیام (مضمون) ۱۸۵۷ء
۱۰۔ اخلاق محسنی ملا حسین واعظ کاشفی (مضمون) ۱۸۳۶ء
۱۱۔ شاعرات ہندوستان ۱۸۵۴ء
۱۲۔ ہندوستان کے پسندیدہ تہوار (مضمون) ۱۸۳۲ء
۱۳۔ ایسے کپڑے جن پر عربی، فارسی اور ہندوستانی تحریریں ہیں مثلاً سید احمد شہید کے کپڑے ۱۸۳۹ء
۱۴۔ منطق الطیر (مضمون) ۱۸۵۶ء دوسرا ایڈیشن، تیسرا ۱۸۶۰ء، چوتھا ۱۸۶۳ء
۱۵۔ ہندوستانی کا اولین شاعر سعدی ۱۸۴۳ء
۱۶۔ لغت ہندوستانی، فرانسیسی اور فرانسیسی ہندوستانی ۱۸۳۶ء

گارساں کو مذہبی مسائل اور اسلام سے گہری دلچسپی تھی۔ جیسا کہ انھوں نے اکثر خود بیان کیا ہے وہ ایک عیسائی تھے لیکن اسلام اور اس کے اصول کا ہمدردانہ مطالعہ کرتے تھے۔ ان کی توجہ کا اصل مرکز ہندوستانی تھا لیکن وہ مذہب اسلام سے بھی خاص شغف رکھتے تھے جیسا کہ ان کی ابتدائی تحریروں اور خاص طور پر مذہبی کتابوں سے اندازہ ہوگا۔
۱۔ قرآن کے مطابق اسلام کے فرائض و آئین۔ ۱۸۲۶ء و ۱۸۲۹ء و ۱۸۴۰ء
۲۔ ایمان اسلام کی تشریح ۱۸۲۲ء اور ۱۸۲۸ء
۳۔ قرآن کے مطابق اسلامی آئین و عمل تیسرا ایڈیشن پیرس ۱۸۷۴ء جس میں ۱۲ سو صفحات ہیں۔
۴۔ ہندوستان میں اسلام کی خصوصیات کا مطالعہ ۱۸۳۱ء اور ۱۸۶۹ء
۵۔ مسلمانوں کے ناموں اور القابوں کا مطالعہ دوسرا ایڈیشن ۱۸۷۸ء جس میں ۹۲ صفحات ہیں۔
۶۔ قرآن کا ایک باب اسلام عقیدہ ۱۸۴۴ء

اپنے وصیت نامہ میں گارساں نے اپنے کتب خانے کو فروخت کر دینے کی خواہش کی تھی تاکہ اس کے احباب اس سے استفادہ کر سکیں۔ ۱۸۷۸ء میں دو سو سے زیادہ کتابوں کی ایک فہرست مرتب کی گئی تھی لیکن ادارہ السنہ مشرقیہ پیرس، …… کے بیان کے مطابق گارساں کا ذاتی کتب خانہ آگ لگ جانے کی وجہ سے ضائع ہو گیا تھا۔ اس لئے ہمیں وہ مسودات حاصل نہ ہو سکے جو وہ اپنی وفات سے کچھ دنوں پہلے مرتب کر رہے تھے۔ اگر قارئین کو گارساں کے متعلق تفصیلی معلومات درکار ہوں تو انھیں مس ثریا سلطانہ علی گڑھ یونیورسٹی کا تحقیقی مقالہ دیکھنا چاہیئے۔ موصوفہ گارساں پر تحقیقی کام کرنے کے لئے پیرس گئی تھیں اور صرف چند مہینے ہوئے ہیں کہ انھوں نے اپنا کام مکمل کر لیا ہو۔ پانڈیچری کا فرانسیسی انسٹی ٹیوٹ ان کے مقالے کو چھاپنے کا خیال رکھتا ہے۔ (بشکریہ یونیورسٹی اسٹڈیز کراچی)

بقیہ مردان حق

یہ سن کر حجاج نے اپنے سامنے ہی قتل کرنے کا حکم دیا، قتل سے پہلے آپ نے یہ دعا مانگی۔
"اے اللہ میرے قتل کے بعد حجاج کو کسی کے قتل پر برقرار نہ کرنا۔"
حجاج نے جلاد سے کہا سر کے بل جھکا دو۔ سعید نے خود اپنا سر راہ تسلیم و رضا میں جھکا دیا اور یہ آیت پڑھی۔ منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى۔
"اس زمین سے تم کو ہم نے پیدا کیا، اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے، اور پھر اسی میں سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔"
حجاج کے حکم سے جلاد کی تلوار چمکی اور ایک مرد حق کا سر زمین پر تڑپنے لگا۔!

بقیہ صـ۵ سے آگے

ادب سے سلام ہوگا ہونٹوں میں حرکت آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے عشق و مستی کا عجیب عالم ہوگا عجب نہیں کہ فخر و مباہات کے یہ الفاظ بھی زبان سے نکل جائیں۔ ؎
کوئی جا کر یہ کہہ دے ابر باراں سے وہ یوں برسے
کہ جیسے مینہ برستا ہے ہمارے دیدۂ تر سے
یہ تھا ان کا حال ہوگا جن کی قسمت جاگی اور در محبوب تک رسائی ہوگی دور افتادوں اور ہجر کے ماروں کا یہ عالم ہوگا کہ وہ یوم عرفہ کی فجر سے ایام تشریق کے آخری دن کے عصر تک ہر فرض نماز کے بعد محبوب کی یاد میں چلا اٹھیں گے، اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد یہ بھی حسب المقدور اپنے ذبیحوں کی گردنوں پر چھری پھیریں گے، ہجر کے مارے عشاق مستی کے عالم میں جھومتے اور گنگناتے رہیں گے۔ ؎

بقیہ انوکھا مریض

بھی ایمبولنس منگوا دی، واقعی بیمار معلوم ہوتا ہے۔"
ہسپتال میں معائنے کے لئے کئی تجربہ کار ڈاکٹروں نے دیکھا تو لیمعزے کو مایوسی ہوئی اس کی خواہش ہمیشہ یہ ہوتی کہ نوجوان ڈاکٹر اس کا علاج کریں کیونکہ تجربہ کار اور پرانے ڈاکٹروں کے برعکس نوجوان ڈاکٹر تشخیص میں زیادہ وقت صرف کرتے اور لیمعزے کو آرام کرنے کا موقع مل جاتا۔ وہ صبح شام نرسوں سے کہتا۔
"سینے میں ہر وقت درد رہتا ہے، پرانے ڈاکٹروں کو اتنی فرصت کہاں کہ میرے مرض کی چھان بین کر سکیں خدا کے لئے کسی نئے ڈاکٹر کو بھیجو۔" مگر اس کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ تنگ آکر اس نے ہسپتال چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ ڈاکٹروں نے منع کیا، مگر وہ نا ہنجار وارڈ سے نکلا تو گیٹ سے مسلسل تھوکتا گیا۔ جو نرس اس کی دیکھ بھال پر متعین تھی، کہنے لگی۔
"بیچارے کو اپنی بیماری کی شدت کا اندازہ نہیں، ورنہ ہرگز نہ جاتا۔ مجھے یقین ہے وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکے گا۔"
لیمعزے دل ہی دل میں ہسپتال والوں کو کوستا ہوا شہر سے باہر جانے والی سڑک پر ہو لیا۔ وہ بڑبڑا رہا تھا۔
"اچھا ہسپتال ہے، کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ جب میں پہنچا ہوں گا تو ہوں گے کہ ہم نے بیچارے سے اچھا سلوک نہیں کیا۔"
ایک روز البانی کے شہری ہسپتال پہنچا اور چھاتی پر ہاتھ رکھے خون تھوکتا ہوا ایمرجنسی روم میں داخل ہوا۔ دیوار کے ساتھ رکھے ہوئے بنچ پر ایک عورت اور اس کا بچہ بیٹھے تھے۔ لیمعزے نے انھیں ایک طرف دھکیلا اور بنچ پر گر پڑا۔ قریب سے میڈیکل کا ایک طالب علم گذرا۔ لیمعزے نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ مگر طالب علم نے فوراً اسے پہچان لیا اور پوچھا۔
"کیا تمہارا نام لیمو لیمعزے ہے"؟
لیمعزے نے چڑ کر کہا۔ "میں ایک بیمار ہوں جسے فوری مدد کی ضرورت ہے۔ فی الحال تمہارے لئے اتنی معلومات کافی ہیں۔" یہ کہہ کر وہ زور زور سے چلانے لگا۔
بڑا ڈاکٹر آیا اور اس نے لیمعزے کو پہچان کر کہا۔
"چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ تو بہتر ہے، ورنہ ابھی پولیس کو بلاتا ہوں۔"
لیمعزے ڈٹ گیا۔ پولیس آئی اور اسے گرفتار کر کے لے گئی۔ آوارہ گردی اور بد نظمی پھیلانے کے الزام میں اسے چند دنوں کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔ — رہا ہونے کے بعد پھر وہ کسی ہسپتال میں داخل ہونے کی تدبیریں کرنے لگا۔
آخری اطلاعات کے مطابق اسے ریاست نیو یارک کے ہسپتالوں میں دیکھا گیا۔ امریکی ہسپتالوں کی انجمن تھوڑے تھوڑے وقفے بعد تمام ہسپتالوں کو لیمعزے سے ہوشیار رہنے کی تاکید کرتی رہتی۔ اب تو پولیس نے بھی اعلان کر دیا ہے کہ لیمعزے نظر آئے، تو اسے زبردستی دماغی امراض کے شفاخانے میں بھیج دیا جائے۔

انڈمان کے مسلمان

ہم سے کیا چاہتے ہیں

شمیم احمد حسن ندوی
مولوی عبدالعلیم الانصاری

جزیرہ انڈمان ان ۲۲۴ جزائر میں سے ایک جزیرہ ہے جو ہندوستان کے مشرقی کناروں پر خلیج بنگال میں واقع ہیں۔ اس کا رقبہ ۳۲۱۵ مربع میل ہے اور یہاں کی آبادی تقریباً ۲ ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ یہ جزیرہ ہندوستان کی مرکزی حکومت کے تابع ہے۔ یہاں کے باشندوں میں بیشتر وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہندوستان کی خانہ جنگیوں سے عاجز آکر یہاں پناہ لی اور یہیں آباد ہو گئے۔
بحر انڈمان نکوبار اور انڈمان دونوں کے کنارے کنارے بہتا ہے اور برما، سیام، اور ملایا تینوں اس سمندر سے زیادہ قریب ہیں۔ اس سمندر کی لمبائی ۲۰۷۵۰ میل ہے اور اس کی گہرائی ۱۴۸۵۴ فٹ ہے۔ برما کا دریا اراودی اسی سمندر میں گرتا ہے۔
یہ چھوٹا شہر زراعتی لحاظ سے بہت زرخیز شہر ہے۔ یہاں چاول، ناریل اور کاجو بکثرت پیدا ہوتے ہیں اس کے علاوہ یہاں گھریلو ضرورت کی چیزیں مثلاً ماچس، رسی وغیرہ بھی تیار ہوتی ہیں۔
برطانوی حکومت ہندوستان کے عہد حکومت میں یہاں ان مجرموں اور سرکشوں کو لایا جاتا تھا جن کو بطور سزا کے بھیجا جاتا تھا۔ اور حکومت ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ ہندوستان کی طرح یہاں بھی مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہیں جن میں مسلمان اور عیسائی قابل ذکر ہیں لیکن مسلمانوں کی تعداد دس ہزار ہے۔ یہاں کا مرکزی ہوائی اڈا پورٹ بلیر ہے۔

تعلیمی حالت :-

جزیرہ انڈمان تعلیمی میدان میں برابر ترقی کر رہا ہے۔ اور ہند کی حکومت وہاں برابر اپنے کالج اور ثانوی اسکول قائم کرتی جا رہی ہے۔ یہاں کے تمام اسکول اور کالج ایک سو کی تعداد میں ہیں دو ثانوی اسکول اس کے علاوہ ہیں اور یہ سب حکومت کی جانب سے ہیں۔ لیکن دینی تعلیم کے معاملے میں وہاں کے مسلمان ہر حال پچھڑے ہوئے ہیں اسلامی مکاتب کی تعداد وہاں بہت کم ہے اور مدارس کی یہ قلیل تعداد وہاں کے مسلمان بچوں کی دینی تعلیم اور اسلامی تربیت کے لئے ناکافی ہے لیکن ان سب چیزوں کے باوجود وہاں کے سربرآوردہ حضرات اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتے ہیں برخلاف اس کے وہاں کے بعض مدرسین بعض فروعی اور فقہی مسئلوں کو چھیڑ کر جن کا اصل دین سے کوئی تعلق نہیں ہے مسلمانوں میں افتراق اور دشمنی پیدا کر رہے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات ایک گروہ کا دوسرے گروہ سے ٹکراؤ بھی ہو جاتا ہے۔
عوام اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ان لوگوں پر پوری طرح اعتماد کر لیتے ہیں کہ یہ لوگ جو بڑے عمامے اور لمبی چوڑی قمیص پہنتے ہیں یقیناً انبیاء رضوان اللہ علیہم کے حقیقی خلفا اور دین حنیف کے صحیح علمبردار ہیں ان کے حکموں کی مخالفت ایک بال برابر بھی جائز نہیں ہے۔ اسی وجہ سے قبروں پر نذر چڑھانا، اولاد مانگنا، مدد مانگنا یہ سب ان کے لئے جائز ہیں اور انڈمان کا تقریباً ہر مسلم گھرانہ ان اعمال میں گرفتار ہے اور ایسے علماء کی ہر بات کو قابل تقلید سمجھتا ہے خواہ وہ قرآن و سنت کے موافق ہو یا غیر موافق۔

مرکز التعلیم الاسلامی

یہاں پر یہ امر بھی بہت فرحت افزا ہے کہ کیرالا کی اسلامی جماعت نے انڈمان کے مسلمانوں کی تعلیمی اور دینی حالت کو سدھارنے کے لئے بہت ہی مستحسن اقدام کیا۔ ۱۹۶۵ء میں شانترم یونیورسٹی کے بعض فارغین کی ایک جماعت مالی اور مادی دشواریوں کے باوجود وہاں پہونچی، اور اس نے وہاں ایک اسلامی مرکز قائم کیا اس مرکز کو جزیرہ انڈمان والوں کو بہت ہی تجربے اور خاص کر اسلام دشمنوں میں یہ مرکز بہت مشہور ہے۔ انڈمان کے مسلمان بچوں کی ایک بھاری تعداد اس مرکز سے مستفید ہو رہی ہے یہ مرکز انڈمان میں دینی تعلیم کو فروغ دینے میں بہت ہی تندہی سے کام کر رہا ہے اور ایسا نصاب تعلیم تیار کیا ہے جس میں دینی اور مادی تعلیم دونوں کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ مرکز پورے انڈمان کے مدارس کے لئے مشعل راہ کا کام دے رہا ہے۔ مرکز اپنی جگہ پر بیک وقت تعلیم، تربیت، تہذیب و تمدن کی تعلیم دے رہا ہے اور عوام اس مرکز کے بارے میں ایک عمدہ مستقبل کی امید لگائے ہیں۔
اس مرکز میں تفسیر، حدیث، اخلاق اور سیرت کے علاوہ جغرافیہ، حساب، عام معلومات اور عربی، اردو ہندی اور انگریزی کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔
ان داعیان دین نے اپنی کوششوں سے غیر اسلامی عقائد، بدعت اور خرافات کو ختم کرنے کی کوشش کی اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔
اس مرکز کی بعض دقتیں بہت اہم ہیں اس کا خرچ بیس ہزار روپیہ ماہانہ تک ہو چکا ہے۔ اور کیرالا کی جماعت اسلامی بھی اب ان مصارف کو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ وہ رقمیں جو عوام کی کمائی سے حاصل ہوتی ہیں وہ ان ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں لیکن اس سے بڑی مشکل بھی انڈمان والوں کے لئے یہ ہے کہ ان کے پاس نہ تو اچھے مدرسین ہیں اور نہ ایسے داعی دین ہیں جو عوام کو دین حقیقی کی دعوت دے سکیں۔
"ہمیں امید ہے کہ دنیا کے مسلمان اس اہم خطہ کی طرف بھی توجہ کریں گے اور ان مشکلات کو دور کرنے میں ہاتھ بٹائیں گے جو اس وقت انڈمان کے مسلمانوں کو درپیش ہیں۔"

بقیہ مسلمانوں کے خلاف خوفناک سازش

اور داعی ایسے ملکوں میں ایسے اسکولوں کی بے حد ضرورت ہے جن کا قیام جلدی ہوگا افریقی مسلمان اسی قدر جلد مشنریوں کے تعلیمی اداروں کی دستبرد سے محفوظ ہو سکیں گے۔ اساتذہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ انگریزی اور اپنے مضمون کے ماہر بھی ہوں اور تبلیغ اسلام کے جذبے اور تقاضوں سے بہرہ مند بھی انھیں نصف تنخواہ دی جائے اور باقی نصف افریقی ملکوں میں کیتھولک مشن (بھارت) سے ہندوستانی عیسائی اساتذہ جاتے اور اسی طرح نصف تنخواہ پر کام کرتے ہیں۔
۴۔ افریقی اور غیر افریقی ملکوں کے مسلمان طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے وظائف دیئے جائیں اس شرط پر کہ وہ تکمیل کے بعد وہ معاشیات کا نصاب بھی پاس کریں گے اور ایک معین مدت تک مبلغ کی حیثیت سے کام کریں گے۔
۵۔ اس سارے منصوبے کی تکمیل اور کامیابی صرف کے بغیر ناممکن ہے اور سرمایہ کی فراہمی سب سے کٹھن مرحلہ ہے۔ لیکن جذبہ خلوص اور فہم و فراست سے ہر مشکل آسان ہو سکتی ہے بکثرت ثروت موجود ہیں ان میں سے چند بقدر اسلامی تبلیغ کے سلسلہ میں گرانقدر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ انفرادی طور پر مخیر حضرات بھی ہیں جو کئی اداروں پر سرمایہ لگا رہے ہیں ایسے مخیر اداروں اور افراد کی سرگرمیوں کو مجتمع کیا جائے اور عظیم تر منصوبہ کا جز بنایا جائے۔ وہ اپنی انفرادی حیثیت اور علیحدہ مساعی جاری رکھ سکتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اسلامی ریاستیں ان کمیٹی کی کفالت بھی کریں۔ پھر موتمر عالم اسلامی اور رابطہ عالم اسلامی جیسی جماعتوں کا تعاون بھی حاصل کیا جائے۔ سعودی عرب اور کویت جیسے مالدار اور دیگر اسلامی ملکوں سے بھی مستقل مالی امداد دیئے کی درخواست کی جائے۔ ہر سال منیٰ کے موقع پر لاکھوں جانور قربان کئے جاتے ہیں۔ ان قربانیوں کا گوشت ڈبوں میں بند کر کے مختلف ملکوں کے غریب مسلمانوں میں مفت تقسیم کیا جائے۔ کھالیں رنگ کر فروخت کی جائیں اور اس سے حاصل شدہ رقم اسلام کی تبلیغ و اشاعت پر صرف کی جائے۔ اس کام کے لئے عالم اسلام اور حکومت سعودی عرب کے باہمی تعاون کی ضرورت ہے۔
یہ تجاویز حرف آخر نہیں ان میں اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے اور بہتر تجاویز سوچی جا سکتی ہیں۔ لیکن افریقہ کو بچانے کے لئے عملی اقدام کی فوری ضرورت ہے یہاں ہر لمحہ انھیں کے انجام کو قریب سے قریب تر لا رہا ہے اگر جاری غفلت سے یہ المیہ مکمل ہو گیا۔ تو پھر آنسو بہانے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

دستخطوں کی قیمت

(سید بادشاہ حسین)

دوسری جنگ عظیم سے کئی سال پہلے کی بات ہے کہ ہندوستان کی ایک دولتمند عورت نے دنیا کا سفر محض مشاہیر کے آٹوگراف حاصل کرنے کے شوق میں کیا تھا۔ مسلسل جد وجہد کے بعد اس نے بہت سے مشاہیر کے آٹوگراف حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ اپنے تاثرات میں اس نے لکھا۔

مصطفیٰ کمال پاشا کے آٹوگراف کے لئے جب میں ترکی پہونچی اور ان کے سکریٹری سے ملاقات کی تو معلوم ہوا کہ وہ آسانی سے آٹوگراف نہیں دیتے ہیں۔ میں نے مستقل مزاجی سے کام لیا، اور مسلسل متعلقہ افراد کو انٹرویو کے لئے ... ملاقات کی کبھی کوئی تاریخ مقرر ہوتی۔ کبھی کوئی کبھی کسی جگہ بڑھا دیا جاتا اور کبھی کسی جگہ لیکن ہر دفعہ کسی نہ کسی مصروفیت کی وجہ سے بات ٹال دی جاتی مگر میں ہمت ہارے بغیر ان کے پیچھے لگی رہی اس سلسلے میں انکے اتاشی کلاک افسر سے میرا تعارف ہو گیا تھا۔ اس نے ایک دن مجھے بتایا کہ تم فلاں مقام پر فلاں تاریخ اور فلاں وقت کو پہونچو، وہ دورہ کرتے ہوئے وہاں پہنچیں گے۔ میں بھی ان کے ساتھ ہوں گا تم کو میں کسی نہ کسی طرح ملنے کا موقع دلادوں گا۔ چنانچہ میں مقررہ وقت پر پہنچی اور میرے جرنل نے مجھے بہت کرکے ان سے ملادیا۔ میری خواہش سن کر وہ ہنسے اور اپنے مخصوص انداز میں مجھے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن میں اپنی بات پر اڑی رہی آخر کار وہ راضی ہوگئے مگر بادل ناخواستہ میری آٹوگراف کی کاپی پر دستخط ایسی جھلاہٹ کے ساتھ کئے کہ قلم کی نوک ٹوٹ گئی شکر خدا کا کہ دستخط کرنے کے بعد یہ حادثہ ہوا ورنہ ......

مسولینی کے پاس جب پہونچی تو وہاں کا رنگ بھی نرالا تھا کسی نہ کسی طرح بھاگ دوڑ کر بڑی منت سماجت کے بعد ان کے دفتر میں باریابی کا شرف حاصل ہو گیا دیکھتی ہوں کہ اس کی کرسی کے پیچھے ایک چیتے کا بچہ کھلواڑیاں کر رہا ہے۔ مجھے دیکھ کر وہ غرانے لگا اور میرا دم نکلنے لگا۔ مسولینی کے چہرے پر خشکی کے آثار تھے ... وہ بڑے ... میری کاپی پر ... دستخط کرکے اس کا پورا صفحہ بھر گیا۔ اور یہ سمجھ میں نہ آیا کہ اس نے دستخط کئے ہیں یا کچھ احکام نافذ کئے ہیں۔

ہٹلر کے پاس پہونچی تو اس نے بڑی پریڈ کرائی۔ اپنے ساتھ ساتھ لئے پھرتا تھا۔ وہ اس قدر تیز چلتا تھا کہ میرا اس کا ساتھ دینا مشکل ہو جاتا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر میں اس کے پیچھے لگی رہی۔ آخر بیزار ہو کر ایک مرتبہ چلتے چلتے اس نے کاپی لی اور اس پر چلتے ہی چلتے دستخط کئے۔

مشہور مصنفین میں شیکسپیر کے دستخط کی سب سے زیادہ قیمت ہے۔ کیونکہ مشہور ہے کہ اس کے لکھے ہوئے صرف تین خطوط ابھی تک معلوم کئے جا سکے ہیں ان میں ہر خط کی قیمت کا اندازہ دو لاکھ پونڈ کیا جاتا ہے ان خطوط کے علاوہ اس کے دستخط اور کہیں نہیں ملتے۔ تقریباً اسی سال قبل اس کے گاؤں کے ایک پرانے گھرانے میں ایک شخص نے دعوی کیا تھا کہ اس کے خاندانی کاغذوں میں شیکسپیر کے دو نجی خط ہیں، شائقین ان کے اعلان کے بعد جوق در جوق اس کے ہاں جمع ہوئے اور سبھوں نے خواہش ظاہر کی کہ ایک دکھائے جائیں مگر اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ یہ احتیاط کے خلاف ہے پھر اس نے شیکسپیر میوزیم اور برٹش میوزیم والوں سے ان کا سودا کرنا چاہا ان دونوں جگہوں کے ماہرین پہونچے۔ مگر جب انہوں نے پیش کردہ خطوط کو دیکھا تو ان کی اصلیت سے انکار کر دیا۔ تمام (خطوط کے مالک کا یہی نام مشہور تھا۔) بہت جز بز ہوا اور ایک کہرام برپا کیا بلکہ دشنام طرازی پر بھی اتر آیا۔ مگر دونوں میوزیم کے ماہرین اپنی بات پر قائم رہے۔ اس پر تام نے ہتک عزت کا دعوی کرنے کی دھمکی بھی دی۔ لیکن بات نہ بنی۔

امریکہ کے مشہور مصنف ایڈگر ایلن پو کے بھی بہت کم دستخط ملتے ہیں۔ آٹوگراف جمع کرنے والے اس کی تلاش میں امریکہ کے ان علاقوں کی خاک چھانتے ہیں جہاں پو رہا یا آیا جایا کرتا تھا مگر اس کے دستخطوں میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔ آج ان کی قیمت ایک ہزار ڈالر بتائی جاتی ہے۔

پریزیڈنٹ وڈرو ولسن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب وہ امریکی یونیورسٹی میں پڑھایا کرتا تھا تو اس کے ایک شاگرد نے اپنی آٹوگراف کاپی پر اس کے دستخط لئے تھے۔ ولسن نے طالب علم کو ڈانٹا تھا کہ وہ وقت فضول کاموں میں کیوں ضائع کرتا ہے۔ تو اس وقت ظاہر ہے کہ نہ تو طالب علم کو اور نہ ولسن کو معلوم تھا کہ امریکہ کا پریزیڈنٹ ہونے والا ہے۔ جب وہ اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہوا تو یہ آٹوگراف بڑا قیمتی ہو گیا۔

جارج برنارڈ شا سب کو معلوم ہے عجیب وغریب قسم کی طبیعت رکھتا تھا۔ عام راستہ سے ہٹ کر چلنا، کسی کی پیروی نہ کرنا، کسی کو اپنا مدمقابل نہ جاننا، سخت کلامی اور دل آزاری کی حد تک کرنا، اور کسی کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آنا اس کی چند خصوصیات تھیں اس میں یہ خصوصیت بھی تھی کہ وہ ہر خط کا جواب دیتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اگر آپ دو صفحہ کا خط بھیجیں تو وہ دو سطر کا جواب دیتا تھا۔ راقم الحروف نے بھی اس سے کوئی تیس پینتیس برس پہلے خط وکتابت کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ شروع شروع کے دو چار خط تو اس نے اپنے دستخط سے بھیجے۔ پھر اس کا جواب سکریٹری کے دستخط سے آیا۔ مجھے خیال گزرا کہ شاید اس کی طبیعت ناساز ہے۔ میں نے مزاج پرسی کی اور توقع ظاہر کی کہ جواب ہی دو چار سطر کا ہو جائے گا۔ اپنے دستخط سے جواب دیگا۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس کے سکریٹری نے مجھے اطلاع دی کہ اس کا مزاج اچھا ہے۔ اور اس نے خط پر عمداً دستخط نہیں کئے۔ کیونکہ اس کے دستخطوں کی قیمت بڑھ گئی ہے اور اسے اندیشہ ہے کہ کہیں میں اس کی تجارت نہ کرنے لگوں۔

یہ تو ان لوگوں کا ذکر تھا جن کو دستخط کرنے آتے تھے اور بعض وجوہ کی بنا پر آٹوگراف کاپیوں پر دستخط عمداً نہ کرتے تھے لیکن میں آپ کو ایک ایسی ہستی کا قصہ سناؤں جن کو دستخط کرنے نہیں آتے تھے۔ مشہور ہے کہ سلطان حیدر علی والی میسور پڑھے لکھے نہ تھے اور سرکاری کاغذات پر بھی دستخط نہ فرماتے تھے۔ دستخط کے بجائے وہ ایک لکیر کھینچ دیتے تھے اور بس۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنی فوج کی تربیت کے لئے ایک فرانسیسی افسر کو ملازم رکھا تاکہ وہ ان کی فوج کو چاق وچوبند کردے اور جنگ کے نئے نئے طریقوں سے واقف کرائے۔ ایک دن ہوا یہ کہ فرانسیسی افسر چند سرکاری کاغذات لئے پہلی مرتبہ سلطان حیدر علی کے حضور میں پیش ہوا۔ نظم ونسق اور فوج کی تربیت سے متعلق بعض مسائل پر تبادلہ خیال کرنے کے بعد اس نے کاغذات سلطان کے حضور میں پیش کئے تاکہ وہ ان پر دستخط فرما کر احکام جاری فرمائیں۔ سلطان نے حسب معمول ان کاغذوں پر تیزی کے ساتھ لکیریں کھینچ دیں۔ فرانسیسی افسر جس کے کان میں پہلے ہی بھنک پڑ چکی تھی کہ سلطان کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا اور وہ دستخط تک نہیں کر سکتے اس موقع پر بے اختیار ہنس پڑا۔ سلطان اس کی ہنسی کا مطلب سمجھ گئے اور اس کی بدتمیزی کو بڑی مشکل سے ضبط کرکے کہنے لگے

"کاغذ پر کھینچی ہوئی لکیر دیکھ کر کیا ہنستا ہے۔ یہ پیشانی کی لکیریں دیکھ جہاں قسمت کا ستارہ چمک رہا ہے"

(بشکریہ شبستان)

ایک مضبوط بنیاد رکھئے!
ماءاللحم خاص
قبل از وقت بوڑھوں اور غیر صحت مند نوجوانوں کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ تازہ پھلوں قیمتی دواؤں اور بہترین غذاؤں سے جدید طریقہ پر تیار کیا جاتا ہے
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

دنیا کا سب سے انوکھا مریض

رفیع الدین ہاشمی

امریکی شہر گرافورڈ ڈروں کے تھانے میں چند سپاہی بیٹھے دھوپ کھا رہے تھے۔ اچانک دروازہ کھلا اور ایک دراز قد بے ڈول سا آدمی لڑکھڑاتا ہوا اندر آیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے دیوار کا سہارا لے رکھا تھا۔ دوسرا ہاتھ سینے پر رکھا ہوا تھا۔ بہت تکلیف میں ہے سردیوں کے دن تھے، مگر اس کی پیشانی عرق آلود تھی۔ وہ بمشکل سانس لیتے ہوئے بولا، خدا کے لئے میری مدد کرو۔ پھر وہ کھانسا۔ خون اس کے منہ سے نکلا اور ٹھوڑی سے ہوتا ہوا قمیص پر آگرا۔ رک رک کر اس نے اپنی بات مکمل کی۔

"میں .... میں کھیت میں کام کر رہا تھا کہ بجلی کا تار ٹوٹ کر گرا۔ مجھے اس تار سے زبردست جھٹکا لگا۔ منہ سے خون آنے لگا۔ وسینہ میں شدید درد اٹھا۔ اب یہ درد ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔ خدا کے لئے میری مدد کیجئے۔ میں چل نہیں سکتا۔ مجھے طبی امداد کی ضرورت ہے۔ خدا کے لئے — جلدی کیجئے — جلدی!"

سارجنٹ نے ڈاکٹر کو فون کیا۔ اس دوران میں مریض آنکھیں بند کئے بے حس وحرکت پڑا رہا۔ وہ بہت کمزور نظر آرہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا اس کے چند سانس باقی ہیں۔ تھانیدار کے پوچھنے پر مدھم آواز میں اپنا نام لیو لیمفرے بتایا۔ پتہ چلا کہ وہ واٹرلو ٹاؤن (ریو پارک) کا رہنے والا ہے۔

ڈاکٹر آیا اور اس نے مریض کو دیکھ کر فوراً ایمبولنس منگوائی۔ راستے میں مریض سے کوئی بات نہ کی۔ وہ مسلسل خون تھوک رہا تھا۔ ایمبولنس ہسپتال پہونچی تو اسے احتیاط سے پہیوں والی سٹریچر پر منتقل کیا گیا۔ ایمرجنسی وارڈ کی طرف جاتے ہوئے وہ راستے میں بار بار خون تھوکتا رہا۔ ہسپتال میں داخلے کا فارم پر کیا جانے لگا۔ تو وہ بولا۔

"میرے پاس اخراجات کے لئے رقم نہیں ہے، بہت غریب آدمی ہوں!"

اسے ایک علیحدہ کمرے میں رکھا گیا۔ جہاں دیکھ بھال اور نگرانی کے لئے ایک نرس متعین تھی اور آکسیجن دی گئی تاکہ سانس لینے میں آسانی ہو۔ اگلے روز ڈاکٹروں نے مسلسل تین گھنٹے تک اس کے مرض پر غور کیا، چند دوائیں اور انجکشن تجویز کئے گئے اور علاج ہونے لگا۔ ڈاکٹروں نے کہا۔

"آپ کو کچھ عرصہ ہسپتال میں رہنا ہوگا، ویسے بے فکر رہیے۔ آپ جلد ہی تندرست ہو جائیں گے!"

یہ بات مریض کی تسلی کے لئے کہی گئی، ورنہ ڈاکٹر ابھی تک مرض کی صحیح تشخیص نہ کر سکے تھے۔ لیمفرے کے پھیپھڑے درست حالت میں تھے اسی لئے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کے منہ سے خون کیوں آرہا ہے۔

علاج کئی روز تک جاری رہا مگر مریض کا خون نہ رکا۔ ڈاکٹروں نے آپریشن کرنے کا فیصلہ کیا۔ نرسوں نے آپریشن روم میں جراحی کا سامان تیار کیا۔ مگر یہ دیکھ کر ڈاکٹر حیران رہ گئے کہ آپریشن کے لئے جو وقت مقرر کیا گیا تھا اس سے چند لمحے پہلے لیمفرے کا خون خود بخود بند ہو گیا۔ چنانچہ آپریشن ملتوی کر دیا گیا۔ دو دن بخیریت گزر گئے۔ تیسرے دن مریض دوبارہ خون تھوکنے لگا لیکن ڈاکٹر کے آنے سے قبل ہی خون بند ہو گیا۔ ڈاکٹر چلا گیا تو دو گھنٹے بعد دوبارہ خون آنے لگا۔

اسی روز شام کو دو سپاہی لیو لیمفرے کے وارنٹ گرفتاری لئے اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ اس پر آوارہ گردی کا الزام تھا۔ سپاہی مجرم کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ اس کی ناک سے آکسیجن کی نلکی لگی ہوئی تھی بستر اور کپڑے خون آلود تھے۔ ایک سپاہی نے دوسرے سپاہی سے کہا۔

"اس کی حالت تو بہت خراب ہے۔ چلو واپس چلیں!"

دوسرا سپاہی نہ مانا۔ نرس نے سپاہیوں سے درخواست کی کہ فی الحال مریض کو گرفتار کرنے کا خیال چھوڑ دیں۔ کیونکہ اس کی حالت نازک ہے۔ یہ کہہ کر اس نے مریض کو سہارا دیا اور ساتھ والی نرس کے ذریعہ ڈاکٹر کو بلوایا۔

سپاہی وہیں کھڑے تھے کہ اچانک لیمفرے نے آکسیجن کی نلکی ناک سے ہٹائی اور ایک جھٹکے سے اٹھا، چادر ایک طرف پھینکی اور بستر سے اچھل کر فرش پر کھڑا ہو گیا۔ نرس نے اسے لٹانا چاہا، مگر وہ اسے ایک طرف دھکیل کر غسل خانے میں چلا گیا۔ وہاں اس نے منہ ہاتھ دھویا۔ صاف کپڑے پہنے اور سپاہیوں کے ساتھ ہو لیا۔

پولیس کی اس حرکت پر سب لوگ متعجب تھے۔ ایک ڈاکٹر کہنے لگا۔

"بیمار آدمی کو گرفتار کرنا کہاں کا قانون ہے؟" نرسوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

لیو لیمفرے کی گرفتاری کس طرح عمل میں آئی یہ اپنی جگہ ایک دلچسپ داستان ہے۔ ہسپتال کے سبھی ڈاکٹر اس نتیجہ پر پہونچے کہ طبی معائنوں کے نتائج کی روشنی میں لیمفرے ایک تندرست انسان ہے۔ مگر اس کا خون کسی طرح بند نہ ہوتا تھا۔ ہسپتال کے سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر رالف نے اس کیس پر بہت غور کیا۔ جب آپریشن سے چند لمحے پہلے لیمفرے کا خون بند ہو گیا تھا، دو دن بعد دوبارہ خون آنے لگا۔ اس پر ڈاکٹر رالف کو شک گزرا۔ کچھ عرصہ پہلے اس نے ایک طبی رسالے میں ایک ایسے بناوٹی مریض کی کہانی پڑھی تھی جو بوقت ضرورت خون تھوکنے لگتا تھا۔ مضمون نگار ڈاکٹر جان جیب تھے جو سٹیٹ یونیورسٹی ... میں شعبہ طب کے استاد تھے۔ ڈاکٹر رالف نے فوراً ان کے نام ٹرنک کال بک کرائی۔

مضمون میں جو باتیں لکھی تھیں، سب کی سب لیمفرے میں موجود تھیں۔ فرق صرف نام، وزن، دو پونڈ ... جیسی درمیانی جگہ اور جسم پر جراحی کے متعدد نشانات، مضمون میں مریض کا نام نہیں تھا۔ فون پر ڈاکٹر رالف نے مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے پوچھا۔

"اس مریض کا نام لیو لیمفرے تو نہیں تھا؟"

"جی ہاں، لیو لیمفرے" ڈاکٹر جیب نے تصدیق کی۔ ڈاکٹر رالف نے پولیس کو بلایا اور لیمفرے گرفتار کر لیا گیا یہ اس کی پہلی گرفتاری نہ تھی۔ اس طرح کے متعدد ڈرامے وہ پہلے بھی کھیل چکا تھا۔

لیمفرے گزشتہ تیس سال سے اس عجیب وغریب "مرض" میں مبتلا ہے۔ ڈاکٹر مرض کی نوعیت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ لیمفرے علاج کے لئے کینیڈا کے علاوہ امریکہ کی سولہ ریاستوں کے بیسیوں ہسپتالوں میں مقیم رہ چکا ہے سینکڑوں ڈاکٹروں نے اس کے کیس پر غور کیا، مگر کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ آخر وہ کون سی طاقت ہے جس کے بل پر یہ مریض جب چاہتا ہے خون تھوکنے لگتا ہے۔ ہسپتالوں میں اس نے علاج کے اخراجات کبھی ادا نہیں کئے۔ صرف ریاست ... کے ہسپتالوں میں اس کے علاج معالجہ پر ساٹھ ہزار ڈالر (تقریباً ۳ ۳ ہزار روپے) خرچ ہوئے آخر کار ڈاکٹر اس نتیجہ پر پہونچے کہ وہ پیشہ ور مریض ہے۔ وہ اس طرح کے لوگ بناوٹی مریض بن کر ہسپتالوں میں آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

لیمفرے نے اپنی بیماری کے متعلق بہت سی کہانیاں گھڑ رکھی ہیں، وہ دو آئیر لینڈ کے جہازوں، بحری طوفان اور جنگ میں اپنے ایک آپریشن کے بارے میں دلچسپ قصے سنا کر لوگوں کو مرعوب کرتا اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ امریکی ڈاکٹروں کو لیمفرے کی طرح کے کچھ اور مریضوں سے بھی سابقہ پڑا ہے مگر لیمفرے ان سب میں زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ وہ حلفیہ کہتا ہے کہ میرے پھیپھڑے میں سوراخ ہے جس کی وجہ سے خون تھوکتا ہوں، مگر ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق اس کے پھیپھڑے بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق وہ کم وبیش پندرہ سال سے یہ کھیل رہا ہے۔ ہم آپ کو اس کی چالاکی کی کچھ داستانیں سناتے ہیں۔

امریکہ کے مشہور صنعتی مرکز ڈیٹرائٹ میں ایک چھوٹی سڑک پر دو سپاہی جا رہے تھے۔ ایک جگہ انہیں لوگوں کا ہجوم نظر آیا۔ آگے بڑھے تو دیکھا ایک شخص فٹ پاتھ پر لیٹا خون تھوک رہا ہے۔

پاس کھڑی ہوئی ایک بڑھیا نے لوگوں سے کہا۔

"بیچارہ کھڑے کھڑے گر پڑا۔ اس کی حالت بہت خراب معلوم ہوتی ہے کسی ڈاکٹر کو بلاؤ یا اسے ہسپتال لے چلو!"

لیمفرے نے دل میں سوچا لو کام بن گیا۔ جلدی ہی ہسپتال پہنچ جاؤں گا۔ وہ کراہنے لگا۔ ایک سپاہی نے پوچھا "کیسے زخمی ہوئے؟"

لیمفرے نے اشارے سے بتایا کہ وہ بول نہیں سکتا۔ سپاہی نے اپنے ساتھی سے کہا۔ (بقیہ صفحہ ... پر)

کوائف دار العلوم

الحمد للہ کہ دار العلوم میں علمی و تعلیمی سرگرمیاں جاری ہیں۔ بیرون ہند کے بعض نئے طلبہ نے بھی داخلہ لیا ہے۔ یہ اطلاع باعث مسرت ہوگی کہ امسال دار العلوم کی مسجد میں دو شنبہ اور پنجشنبہ کو بعد نماز مغرب درس قرآن کا بھی نظم کیا گیا ہے جس سے عام طلبہ زیادہ سے زیادہ مستفید ہو رہے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی کے سفر حجاز کی اطلاع پر یہاں سے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی اور دوسرے حضرات شیخ مدظلہ سے ملاقات کی غرض سے دہلی تشریف لے گئے۔ ۱۸ر جنوری کو یہ سب حضرات واپس تشریف لے آئے ہیں۔

۱۹۶۰ء کے تاریخی سیلاب کے بعد حکومت نے دریائے گومتی کے کنارے ایک بند کی تعمیر کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس منصوبے کی رو سے دار العلوم کی خوبصورت عمارت کے سامنے کی زمین کا خاصہ حصہ زد میں آرہا ہے۔ دار العلوم کے خام مکانات، ادنی ملازمین کے گھر بھی اس زد میں آگئے ہیں۔

اس منصوبے کی وجہ سے دار العلوم کی خوبصورتی اور اس کا حسن بھی ختم ہوتا ہے۔ پھر شارع عام کے قریب ہو جانے کی وجہ سے طلبہ و اساتذہ کو تعلیم و تعلم میں جو دشواریاں پیش آئیں گی وہ اپنی جگہ پر ایک مستقل مسئلہ بنیں گی۔ اس کے علاوہ دار العلوم کے حدود زیادہ سے زیادہ غیر محفوظ بھی ہو جائیں گے، اس سلسلہ میں عرصہ سے سعی و کوشش کی جا رہی ہے کہ کسی طرح اس میں ترمیم ہو جائے اور موجودہ سڑک جو دار العلوم کے سامنے سے گذر رہی ہے اسی پر بند تعمیر ہو جائے لیکن کامیابی مستبعد معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس معاملے کو خیر و خوبی کے ساتھ حل فرما دے۔ آپ حضرات سے بھی دعا کی درخواست ہے۔

مولانا محمد ہاشم صاحب اپنے سفر گجرات سے واپس آگئے ہیں اور دوسرے مقامات کے دورہ کا پروگرام بنا رہے ہیں۔

بقیہ قرآن کا پیام

(بہ ارشاد خداوندی آ)

مصدقا ...... التورۃ، کوئی نیا نبی پرانے نبی کی تردید و تغلیط کے لئے نہیں آتا۔ (اس قسم کی تحقیقات صرف حکماء و فلاسفہ کو مبارک رہے) بلکہ ہر جدید پیام بر پیام قدیم کی تجدید و تکمیل ہی کے لئے آتا ہے۔ حضرت مسیح بھی یہاں یہود سے یہی کہہ رہے ہیں کہ میں شریعت و نبیوں کے مٹانے کے لئے نہیں ان کی تجدید و تصدیق کے لئے آیا ہوں۔ اس قسم کی تصریحات مروجہ انجیل میں بھی موجود ہیں، مثلاً "یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں، بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔" (متی ۵: ۱۷) "آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے۔" (لوقا ۱۶: ۱۷) انجیلی زبان میں شریعت سے مراد شریعت موسوی ہی ہوتی ہے۔

حرم علیکم۔ یعنی شریعت موسوی میں جو چیزیں تم پر حرام تھیں۔ قانونی جزئیات اور فقہی فروع میں ترمیم و تسہیل عمومی تصدیق و تائید کے ذرا بھی منافی نہیں۔

احل لکم۔ مسیحی تعلیم نے قدیم موسوی شریعت میں جو بعض سہولتیں اور آسانیاں پیدا کر دی تھیں ان کا ذکر انجیل مروجہ میں موجود ہے مثلاً

"اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو، سب میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں آرام دوں گا۔ میرا جوا اپنے اوپر اٹھا لو اور مجھ سے سیکھو کیونکہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن، تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی کیونکہ میرا جوا نرم ہے۔ اور میرا بوجھ ہلکا (متی ۱۲: ۲۸ - ۳)

پھر مراد یہ بھی ہو سکتی ہو کہ تمہارے حبروں اور ربیوں نے اپنی طرف سے جو احکام توریت میں خلط ملط کر دیئے ہیں میں اس سارے بوجھ کو تم سے دور کرنے آیا ہوں۔

(اور اپنی نبوت و رسالت کا)

ایۃ۔ نشان کا لفظ دلائل و معجزات دونوں پر حاوی ہے اور لفظ کے موحد ہونے سے یہ خیال نہ ہو کہ معنی بھی صیغہ واحد میں ہو اور کوئی ایک مخصوص نشان مراد ہے۔

آیۃ۔ بطور اسم جنس کے ہے اور مراد اس سے سارے ثبوت اور شواہد حضرت کی صداقت کے ہیں۔

خطاب بنی اسرائیل سے ہے۔

(بہ حیثیت رسول خدا ہونے کے)

فاتقوا اللہ۔ یعنی اللہ سے ڈرو، اور اس کے رسول کی تکذیب کی جرأت نہ کرو۔

فتنۂ دنیا و ہم آشوب دیں

از: ماہر القادری صاحب

بے یقین و بے ضمیر و کم نگاہ
منکر اخلاق و آیات الٰہ
عصمت کردار در راہش غبار
مذہب او راشکم پروردگار
در مساوات جہاں مصروف کار
زاں مساواتیکہ فطرت شرمسار
آدمی را محض ماشینے شمرد
در دخاں زائید در آتش بمرد
آتشیں سیلاب لرزاں بر زمیں
فتنۂ دنیا و ہم آشوب دیں

مشین

مستقل عنوان:

ذرا یہ بھی سنئے......

محمد کلیم اللہ خاں

مشہور اخبار لندن ٹائمس نے اپنی ایک اشاعت میں اپنے پڑھنے والوں سے ایک اہم سوال پوچھا کہ کیا اس سائنس و ٹکنالوجی کے ترقی یافتہ دور میں ہم روز بروز تشدد پسند ہوتے جارہے ہیں؟ اخبار کو سوسائٹی کے ہر طبقے سے کثیر تعداد میں جواب موصول ہوئے۔ یہ جوابات تقریباً سو فیصدی مثبت میں تھے۔ جواب دینے والوں نے تشدد پسندی کے رجحانات پیدا ہونے کے جو اسباب لکھے ہیں وہ کافی دلچسپ ہیں اور مغربی طرز زندگی کا بہت اچھا پوسٹ مارٹم کرتے ہیں۔

ایک شخص نے لکھا ہے کہ سائنس و ٹکنالوجی کی ترقی سے ہمارا معیار زندگی بلند ہو گیا ہے اور ہزار ہا قسم کی انفرادی اور اجتماعی ضرورتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک طرف تو نجی طور پر ہمیں اس معیار زندگی کو برقرار رکھنا مشکل ہو رہا ہے، اور دوسری طرف حکومت ہماری اجتماعی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے روز بروز ٹیکس بڑھاتی جا رہی ہے۔ ان ٹیکسوں سے محنت کش افراد اور سوسائٹی کا متوسط طبقہ بری طرح دبا ہوا ہے۔ مہینہ بھر انتہائی جانفشانی اور محنت سے کام کرنے کے بعد تنخواہ کا تھوڑا ہی حصہ ٹیکس کے دست برد سے بچ جاتا ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ دن رات زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی فکر سوار رہتی ہے اور ایک دماغی ہیجان میں مبتلا رہتے ہیں۔ ہماری ساری صلاحیتیں مردہ ہو جاتی ہیں اور جب ہم سوسائٹی کے ایک طبقہ کو دیکھتے ہیں کہ اس کو زندگی کی ساری مسرتیں بہ آسانی مہیا ہیں اور وہ عیش و آرام سے زندگی گذار رہا ہے تو نفرت کی آگ ہمارے سینوں میں سلگنے لگتی ہے اور اس اندرونی آگ کی گرمی ہمارے خون کو کھولا دیتی ہے۔

ایک چین و سکون کا متلاشی شخص تحریر کرتا ہے کہ لندن ایک نہایت گنجان آبادی کا شہر ہے۔ ہر طرف انسان ہی انسان نظر آتے ہیں، کہیں روزگار کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والے ہیں، کہیں مکان کے متلاشی ہیں، کہیں بسوں اور ٹرینوں کے لئے قطاریں لگی ہیں، کہیں روزمرہ کے سودا سلف کے خریدنے والوں کی بھیڑ، کہیں لوگ اپنے حقوق منوانے کے لئے دھرنا دیئے بیٹھے ہیں۔ اور کہیں جلوس نکل رہے ہیں اور نعرہ بازی ہو رہی ہے۔ پھر ان انسانوں کے ہجوم کے علاوہ بسوں، ٹیکسیوں اور ٹرینوں کا شور ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی موسیقی کی آوازیں اور لوگوں کی چیخ و پکار ہر طرف ہے۔ ایسے شہر میں انسان کو چین و سکون کیسے نصیب ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ انسان [illegible] دماغی ہیجان میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی بے کیف ہو جاتی ہے اور اپنے معاشرہ کے خلاف باغیانہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس ناپسندیدہ معاشرہ کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر [illegible] تشدد کو شغل بنا لے تو جارحانہ انداز اختیار کر لیتی ہے۔

صنعتی کارخانہ میں کام کرنے والا ایک مستری لکھتا ہے کہ اس وقت میری پچاس سال کی عمر ہے۔ میں نے پندرہ برس کی عمر سے اس کارخانہ میں کام کرنا شروع کیا اور اگر زندگی نے ساتھ دیا تو پینسٹھ سال کی عمر تک یہاں کام کرتا رہوں گا۔ اس کے بعد باوجود صحت مند اور کام کرنے کے قابل ہونے کے مجھے روزی کمانے کی اجازت نہ ہوگی حتی کہ اپنی ساری زندگی کارخانے کے لئے دے دی مگر مجموعی طور سے تقریباً ساٹھ ہزار پونڈ کما سکا جب کہ کارخانے کے ڈائریکٹر کو اتنی ہی رقم سالانہ ملتی ہے۔ اب میرے لئے سوال یہ ہے کہ بقیہ زندگی کیسے گذاروں گا۔ کیوں کہ اپنی قلیل آمدنی اور بے شمار ضروریات زندگی کی وجہ سے کچھ پس انداز نہیں کر سکا۔ مگر ڈائریکٹر مدت ملازمت میں عیش و آرام کی زندگی گذارتے رہے۔ عالی شان کوارٹر، کار، فرنیچر، ریڈیو، ٹیلی ویژن سب مفت مہیا تھا۔ اور ملازمت ختم ہونے کے بعد بھی اپنی پس انداز کی ہوئی بڑی رقم سے عشرت کی زندگی گذاریں گے۔ کیا یہ خیالات مجھے تشدد پسند بنانے کے لئے کافی نہیں ہیں۔

ایک کلرک لکھتا ہے کہ "ہمارے سر پر مسائل کا ہجوم ہے اور زندگی گذارنا مشکل ہو رہی ہے۔ ہماری حکومت ریڈیو، ٹیلی ویژن اور دوسرے ذرائع کے ذریعہ ہمیں یقین دلاتی ہے کہ ہم ہی مصائب کا شکار نہیں ہیں بلکہ دنیا میں لاکھوں انسان ہم سے بدتر حالات میں زندگی گذار رہے ہیں، لیکن ہم پر اس دینگ کا اثر نہیں ہوتا کیوں کہ ہمارے سامنے تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے۔ ہمارے سامنے سوسائٹی کا وہ بھی طبقہ ہے جو بلا ایک قطرہ پسینہ ٹپکائے ہوئے انتہائی عیش و آرام کی زندگی گذار رہا ہے۔ اگر ہم اس بات کی کوشش کریں کہ دولت کی نابرابر کی تقسیم اور یہ معاشی ناہمواری ختم ہو۔ اور ہر ایک کو جینے کا حق ملے تو تشدد پسند کہے جاتے ہیں۔ ہمیں آپ کے اس کہنے کی پرواہ نہیں ہم برابر جینے کا حق حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتے رہیں گے۔"

ایک نوجوان لکھتا ہے کہ "میں جوانی سے بھرپور ہوں میرا شباب عروج پر ہے اور میرے سینے میں جوانی کی امنگوں اور ولولوں کا جوار بھاٹا اٹھتا ہے۔ میرے ان جذبات کو بڑھانے والے چاروں طرف محرکات ہیں ایک طرف سینما، ٹیلی ویژن اور ناول وغیرہ ہیں تو دوسری طرف حسین لڑکیاں اپنے بھڑکیلے لباس میں اپنے ابھرے ہوئے جسم کی نمائش کرتی ہوئی مجھے لبھاتی ہیں۔ میں ایک مجبور ہوں جوان رنگ برنگ نکلتے ہوئے پھولوں اور کلیوں کو دیکھ کر مست ہو جاتا ہوں اور ان کا رس چوسنا چاہتا ہوں مگر میرے لئے قدم قدم پر سماجی معاشی اور دوسرے قسم کی رکاوٹیں آجاتی ہیں میں جھنجھلا جاتا ہوں میرا اندر کا لاوا ابل نکلنا چاہتا ہے اور میں اپنے راستے سے ہر قسم کی پابندیوں اور رکاوٹوں کو دور کر دینا چاہتا ہوں۔ چاہے مجھے جارحانہ انداز کیوں نہ اپنانا پڑے۔"

ایک لڑکی نے لکھا ہے کہ میں جب سولہ سترہ برس کی حسینہ تھی تو ہر شخص کی نظریں میرے اوپر اٹھتی تھیں۔ ہر مرد میری راہ میں اپنی نگاہیں فرش کرنا چاہتا تھا۔ اور میرے حسن کی تعریف میں رطب اللسان رہتا تھا۔ جب ڈھیر میری عمر تیس سے تجاوز کر گئی تو میرے سارے چاہنے والے اپنا منہ موڑ رہے ہیں کوئی میرے ساتھ ڈانس کرنا تک پسند نہیں کرتا اور میری طرف کوئی پیار کی نظر بھی نہیں اٹھاتا۔ میں اتنی بڑی دنیا میں اپنے کو تنہا محسوس کرتی ہوں۔ مجھے اپنے معاشرہ سے نفرت ہو گئی ہے جس میں عورت ایک کھلونا سمجھی جاتی ہے اور کھلونے سے تھوڑی دیر دل بہلانے کے بعد توڑ پھوڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ آپ خود فیصلہ کریں ایسے معاشرے میں اگر عورتیں جھگڑالو نہ ہو جائیں تو اور کیا کریں۔

ایک مشرقی عورت جو اپنے شوہر کے ساتھ لندن میں رہ رہی ہے لکھتی ہے کہ "میں خوابوں میں لندن کی سیر کرتی تھی اور میری بڑی آرزو تھی کہ لندن میں جا کر رہوں۔ جب میرے شوہر نے مجھے لندن بلایا تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ مگر لندن آئے چند ماہ ہی ہوئے ہیں کہ میں اپنی زندگی سے عاجز ہو گئی ہوں۔ میرے تین چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جو مجھ کو اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں اپنے وطن میں انکو میں نے کبھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں کیا مگر یہاں آکر شوہر کے مجبور کرنے پر مجھے کارخانے میں نوکری کرنا پڑتی ہے۔ صبح سویرے بچوں کو چھوڑ کر کارخانے چلی جاتی ہوں رات گئے تھکی ہاری آتی ہوں بچے دن بھر رو رو کر جان ہلکان کرتے ہیں اور ادھر کارخانہ میں میرے دل پر ایک بوجھ رہتا ہے۔ واپسی پر ہاتھ سے کھانا پکانا، برتن صاف کرنا اور کپڑے دھونا پڑتے ہیں۔ بری طرح تھک جاتی ہوں صحت گرنے لگی ہے، زندگی بے کیف ہو گئی ہے۔ مگر دولت کے لالچی شوہر کو رحم نہیں آتا۔ مغربی تہذیب کے خلاف میرا رونگٹا رونگٹا باغی ہے اور میں خود بخود تشدد پسندی کی طرف بڑھتی جا رہی ہوں۔"

منی آرڈر کوپن پر پتہ صاف
اور خوشخط تحریر کریں
نیز خریداری نمبر کا حوالہ ضرور
تحریر کریں